ایمان کی چھاؤں میں

صحیح بخاری کا خصوصی مطالعہ

تالیف

سعید الرحمٰن

استاد ادارہ علوم اسلامیہ عربی

بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان

بیکن بکس ○ گلگشت ملتان

Marfat.com

ایمان کی چھاؤں میں

صحیح بخاری کا خصوصی مطالعہ

تالیف

سعید الرحمٰن

استاد ادارہ علوم اسلامیہ و عربی

بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان

بیکن بکس ○ گلگشت ملتان

arfat.com

DATA ENTERED

۳۶۸۴۹

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

بار اول : 1995

پریس : ندیم شفیق پرنٹنگ پریس ملتان

قیمت : -/90

DATA ENTERED

7-12-94

عرض مولف

دین اسلام کی حکمت قرآن حکیم میں محفوظ کی گئی اور اسوہ حسنہ کے ذریعہ آشکارا کی گئی اسی بنا پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلم حکمت بنا کر بھیجا گیا۔ آپ کے کلمات حکمت، اسلوب حکمت اور حکمت عملی احادیث کی شکل میں اہل نظر و آگہی کیلئے وہ روشن مینار ہیں، جن سے کسی بھی حوالہ سے صرف نظر کرنا اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے کے مترادف ہیں۔ اسی بناء پر حدیث، سند اور دلیل قرار پاتی ہے۔

احادیث کے ذخیرہ میں صحیح بخاری کو جو اہمیت حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں، محقق سندھی کے الفاظ میں "خلافت راشدہ سے لیکر ہارون الرشید تک کے نمونے کے اسلامی معاشرے کے مذہبی فکر کی صحیح ترین جامع کتاب صحیح بخاری ہے۔ اس کی شہرت اور مقبولیت کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو اس میں صحیح احادیث ہیں، دوسرے فقہ، سیرت اور تفسیر وغیرہ سب مباحث آگئے ہیں۔"

صحیح بخاری کی احادیث کی وضاحت اور تشریح کے سلسلے میں جو علمی کام ہوا ہے، اس کا قابل قدر ذخیرہ مطبوعہ شکل میں موجود ہے، اس ذخیرہ میں احادیث پر جامع انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ یوں کسی تشنگی کا احساس نہیں ہوتا۔ تاہم اس امر کا احساس ضرور ہوتا ہے کہ اتنے وقیع ذخیرہ سے استفادہ کیلئے جس قدر علمی استعداد اور وافر وقت درکار ہے وہ معاشرے میں چند افراد ہی کے پاس رہ گیا ہے۔ اس لیئے یہ ضروری خیال ہوا کہ احادیث نبوی کے متنوع پہلوؤں میں سے اس پہلو کو زیر بحث لایا جائے جس کا تعلق معاشرتی و سماجی حوالہ سے ہے اور اس سلسلے میں دور حاضر کے ان مسائل کے حل کی وضاحت کی جائے جو احادیث کے دائرہ کار میں آتے ہیں۔ چنانچہ اس ضمن میں صحیح بخاری کے معروف شارحین کرام کی قابل ذکر کتب سے استفادہ کے علاوہ دیگر اہم کتب کو بھی خصوصی طور پر پیش نظر رکھا گیا تاکہ احادیث میں پنہاں مفاہیم کا زیادہ سے زیادہ ادراک حاصل کیا جاسکے۔

کتب سے استفادہ میں جس چیز نے رہنمائی کی وہ ماحول ہے، جو مجھے اپنے گھر میں والدین کریمین کی وجہ سے ملا۔ والد محترم حضرت مولانا محمد بدیع الزمان مدظلہ جیسی شفیق شخصیت نہ صرف مادی حوالہ سے اپنی پدرانہ ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوئیں بلکہ اس راہ پر ڈالا جس پر چل کر دینی علوم سے شناسائی پیدا ہوئی۔ ان کی سرپرستی کے بدولت ہی اپنے زمانہ کے بہترین اساتذہ

Marfat.com

نے دین کی حکمت سے آشنا کیا۔ جو میرے لیئے متاع عزیز کی حیثیت رکھتی ہے۔

الغرض زیر نظر کتاب میں اگر کوئی خوبی ہے تو اس کا سہرا مادری علمی جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد اور خانقاہ عالیہ رائے پور کے روشن چراغوں کے سر ہے۔ امید ہے کہ اہل نظر اپنے قیمتی مشوروں سے نوازیں گے۔

فہرست عنوانات

ایمان کی حقیقت	11
اسلام کی بنیاد	13
ایمانی امور	27
مسلمان کی خصوصیت	32
صاحب فضیلت مسلمان	35
خوراک کی ضرورت پوری کرنا	36
بھائی کے لئے پسندیدہ جذبہ	38
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت	41
ایمان کی چاشنی	45
انصار سے محبت	47
باب	48
فتنوں سے فرار	52
سب سے بڑے عارف باللہ	54
کفر سے پلٹ جانے سے نفرت	57
اعمال میں ایک دوسرے سے بڑھنا	59

Marfat.com

حیاء اور ایمان	62
کفار کے لئے مشروط حکم	64
ایمان اور عمل	66
اسلام کا حقیقی اور ظاہری مفہوم	69
سلام عام کرنا	73
شریک حیات کی ناشکری اور کفر کے درجات	76
معاصی کی حقیقت	80
ظلم کے درجات	86
منافق کی نشانیاں	88
شب قدر کا قیام	92
جہاد اور ایمان	94
قیام رمضان	104
صیام رمضان	107
دین کی آسانی	110
نماز اور ایمان	113
انسان کے اسلام کی خوبی	121
پسندیدہ ترین عمل	124
ایمان میں کمی و بیشی	126
زکواۃ	131
جنازہ کے پیچھے چلنا	135
صاحب ایمان کی احتیاط	137
حدیث جبریل	143
باب	150
اپنے دین کو بچالینے والے کی فضیلت	155
خمس کی ادائیگی	158

اعمال اور نیت	165
اعمال اور نصحیت	169
حوالہ جات	173
مصادر و مراجع	182

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایمان کی حقیقت

ایمان "امن" سے ماخوذ ہے جو خوف کی ضد اور طمانیت و سکون کے معنی میں آتا ہے(۱)

ایمان کا اصطلاحی مفہوم تصدیق ہے جو دل کا اختیاری عمل ہے لہذا محض کسی چیز کا علم یا معرفت حاصل ہوجانا تصدیق کے ضمن میں نہیں آتا کیونکہ وہ اضطراری بھی ہوسکتا ہے۔ جبکہ ایمان کا شرعی مفہوم یہ ہے کہ جن امور کے بارے میں واضح اور بدیہی طور پر ضرورتاً یہ معلوم ہوجائے کہ رسول اکرم ﷺ لے کر آئے ہیں ان کو سچا ماننا اور دل سے قبول کرنا اجمالی امور کا اجمالاً اور تفصیلی امور کا تفصیلاً(۲)

زبان سے اقرار بھی ضروری ہے تاہم اگر کوئی شخص اس سے عاجز ہو مثلاً گونگا ہو یا اقرار کی صورت میں جان جانے کا اندیشہ ہو یا اسے اسلام کی حقانیت کے دل میں آجانے کے بعد اقرار کی فرصت ہی نہ ملی ہو کہ انتقال ہوگیا تو ان صورتوں میں عدم اقرار اس کے حق میں نقصان دہ ثابت نہیں ہوگا(۳)

ایمان کی شرعی تعریف میں مذکور لفظ "ضرورۃ" کا مفہوم یہ ہے کہ کسی امر کا دینی ہونا اس شہرت کے ساتھ تواتر سے معلوم ہوجائے کہ دین سے تعلق رکھنے والی ایک بڑی تعداد اسے جان لے جیسے توحید، نبوت، ختم رسالت و نبوت، حشر و نشر وغیرہ(۴)

واضح رہے تواتر کی چار اقسام ہیں۔

(۱) تواتر اسناد یعنی جس بات کو اول تا آخر اتنے ثقہ راوی بیان کرتے آئیں جن کا جھوٹ پر اتفاق ناممکن ہو جیسے یہ حدیث نبوی

من كذب على متعمدا فليتبوأ مقعده من النار"(۵)

Marfat.com

(۲) تواتر طبقہ یعنی شروع سے آخر تک ایک لائق اعتماد طبقہ اسی طرح کے دوسرے طبقے سے کوئی بات نقل کرتا چلا آرہا ہو جیسے قرآن حکیم کی روایت ہر دور میں ایک طبقے سے دوسرے طبقے کی طرف منتقل ہوتی چلی آرہی ہے۔

(۳) تواتر عمل یعنی کسی حکم پر رسول اکرم ﷺ کے زمانہ سے لیکر آج تک اتنے افراد عمل کرتے آرہے ہوں جن کا کسی غلط کام پر اس طرح کا اجتماعی طور پر عمل ناممکن ہو جیسے نماز کی رکعات کی تعداد۔

(۴) تواتر قدر مشترک یعنی جب راویوں کے الفاظ اس طرح مختلف ہوں کہ ایک گروہ ان میں سے ایک واقعہ نقل کرے اور دوسرا گروہ دوسرا واقعہ اور اسی طرح دیگر گروہ، مگر ان تمام واقعات میں ایک قدر مشترک موجود ہو تو یہی قدر مشترک متواتر کہلائے گی جیسے رسول اکرم ﷺ سے متعدد معجزات صادر ہونے کی روایات کا قدر مشترک آپ سے نفس معجزہ کا ظاہر ہونا ہے۔(۶)

عرب چونکہ ایمان کے اصطلاحی معنی سے واقف تھے اس لئے قرآن و حدیث نے براہ راست اس سے تعرض نہیں کیا بلکہ اس کی بجائے ایمان سے متعلقہ امور کو بیان کیا گیا جن سے عرب لاعلم تھے۔ بعد میں ایمان کے اصطلاحی معنی کے سلسلے میں اشکالات پیدا ہوئے جس کی وجہ سے ایمان کی حقیقت کے بارے میں درج ذیل نظریات وجود میں آگئے۔

(۱) ایمان محض قلبی طور پر کسی چیز کو پہچان لینے کا نام ہے خواہ یہ پہچان اور ادراک اضطراری ہی کیوں نہ ہو اس موقف کے ماضی میں جہم بن صفوان نامی شخص کے پیروکار (جہمیہ) بھی قائل رہے ہیں تاہم یہ موقف اس بناء پر درست نہیں کہ اس نوعیت کی معرفت تو عصر موسوی کے فرعون اور دور نبوی کے اہل کتاب کو بھی حاصل تھی حالانکہ انہیں واضح طور پر ایمان سے محروم قرار دیا گیا ہے۔

(۲) ایمان محض زبان سے اقرار کا نام ہے ماضی میں یہ نظریہ محمد بن کرام کے مقلدین (کرامیہ) کا رہا ہے لیکن یہ نظریہ بھی بلاسند ہے۔

(۳) ایمان دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کا نام ہے اور ان کی موجودگی میں

کسی قسم کا گناہ نقصان دہ نہیں لہذا کسی بڑے سے بڑے گناہ کی وجہ سے کوئی صاحب ایمان جہنم میں نہیں جائے گا جیسا کہ ماضی میں غسان کوفی کی قیادت میں مرجئہ نامی فرقہ کا یہ خیال رہا ہے، اگر یہ خیال درست تسلیم کرلیا جائے تو قرآن وحدیث میں ذکر کردہ تمام احکام عمل کے نقطۂ نظر سے غیر مفید اور بے نتیجہ قرار پائیں گے اور یوں قرآن و حدیث کا ایک بہت بڑا حصہ معطل اور بے مقصد ہو کر رہ جائے گا۔

(۴) اعمال صالحہ ایمان کا جز اور حصہ ہیں لہذا اگر کسی صاحب ایمان نے کوئی فرض ترک کردیا یا کسی حرام کا ارتکاب کرلیا تو وہ دائرہ اسلام سے خارج متصور ہوگا، یہ نظریہ بھی انتہاپسندی پر مبنی ہے، ماضی میں معتزلہ اور خوارج نامی بنیاد پرست فرقے اس کے قائل رہے ہیں۔

(۵) متوازن اور معتدل نظریہ یہ ہے کہ ہر وہ شخص صاحب ایمان ہے جس میں قلبی تصدیق اور زبانی اقرار کے دونوں عناصر موجود ہوں گناہ سرزد ہونے سے وہ ایمان سے تو محروم نہیں ہوگا لیکن گناہ کا اپنا نقصان ضرور ہوگا بلکہ اگر کوئی ایسا عمل ظہور پذیر ہوا جو تصدیق کی عدم موجودگی کی نشاندہی کرے تو ایسی صورت میں اسکا مرتکب شخص ایمان سے ہی محروم سمجھا جائے گا جیسے اللہ تعالی کے علاوہ کسی اور کے آگے سجدہ ریز ہونا، قرآن حکیم کو گندگی میں پھینکنا اور رسول اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے کا مرتکب ہونا، امام احمد بن حنبل جان بوجھ کر نماز ترک کرنے کو بھی اسی قبیل سے شمار کرتے ہیں کہ وہ درحقیقت ایمان جیسے مخفی عقیدے کی علامت ہے۔(۷)

اسلام کی بنیاد

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام علی خمس و ھو قول و فعل و یزید و ینقص

ایمان کی بنیادی حقیقت میں گو اہل حق کا اتفاق ہے جبکہ تعبیر میں اختلاف پایا

جاتا ہے، محدثین (بشمول امام بخاری) کے ہاں ایمان کی تعبیر قلبی معرفت، زبانی اقرار اور عمل صالح سے کی گئی ہے، بظاہر یہ تعبیر خوارج و معتزلہ کے موقف سے ملتی جلتی ہے لیکن محدثین کی تصریح ہے کہ عمل صالح تصدیق کی مانند ایمان کا جزء نہیں ہے کہ اسکا ترک کرنے والا ایمان سے محروم ہوجائے جبکہ متکلمین کی اکثریت ایمان، تصدیق و اقرار کے مجموعہ کو قرار دیتی ہے اور عمل کو ایمان کا جزو قرار نہیں دیتی گو یہ انداز بیان ارجائی نظریہ کے قریب ہے لیکن اہل کلام اس کے قائل ہیں کہ گناہوں کا مرتکب ان کی سزا سے ضرور دوچار ہوگا الا یہ کہ اللہ رحم فرمائے۔ واضح رہے کہ کلامی مسائل میں محدثین کی اکثریت ابوالحسن اشعری اور متکلمین کی اکثریت ابوالمنصور ماتریدی سے متاثر ہے۔

بہر کیف انداز بیان کے اختلاف کے باوجود حقیقت بیان ایک ہی ہے اور تعبیر کا یہ اختلاف دراصل ماحول اور گردو پیش کے معروضی حالات کا نتیجہ ہے کہ جب بھی کسی گروہ کی جانب سے انتہاء پسندی کا مظاہرہ ہوا تو اعتدال اور توازن کے قیام کے لئے خصوصیت کے ساتھ تصویر کا دوسرا رخ پیش کیا گیا۔(۸)

امام بخاری کے دور میں اعمال صالحہ کی اہمیت کم کرنے کی کوشش کی جارہی تھی اور مرجئہ کے موقف کی ترویج ہورہی تھی اس لئے انہوں نے کتاب الایمان میں نہ صرف عمل کی اہمیت کو اجاگر کیا بلکہ قرآن و حدیث کے دلائل سے مرجئہ کے نظریہ کی تردید بھی کی۔ اسی بناء پر ان کا جملہ ہے "وہو قول و فعل" کہ اسلام قول و فعل دونوں کا نام ہے۔

موجودہ دور میں جبکہ مسلم معاشروں میں اسلام و ایمان کی حیثیت محض روایتی اور رسمی ہو کر رہ گئی ہے اور ایمان کے تقاضوں سے انحراف کو ایمان کیلئے نقصان دہ نہیں سمجھا جاتا، امام بخاری کا انداز بیان اس جدید "ارجائی" انداز فکر کی بھی بھرپور تردید کرتا ہے اور یہ یاد دلاتا ہے کہ ایمان کو زبان تک محدود ہونے کی بجائے عملی زندگی میں بھی جاری و ساری ہونا چاہیئے۔

ایمان درحقیقت فطری اصول و نظریات پر اس عزم و یقین کا نام ہے جو انسان کو سرتاپا عمل بناتا ہے جس کے ذریعے زندگی میں فکری نظم اور اجتماعی مرکزیت قائم

Marfat.com

ہوتی ہے اور اوہام و خیالات کی بجائے ٹھوس حقائق پر زندگی استوار ہوتی ہے، اللہ پر ایمان تو ایک ایسا نصب العین ہے جس پر نظریاتی پختگی انسان کو تن پروری، عیش پرستی، عافیت کوشی، مصلحت پسندی، سخن آرائی، حیلہ سازی اور شکوہ سنجی جیسے جراثیم سے نجات عطا کرتی ہے اور اجتماعی مفاد کو ایثار و قربانی کے جذبے کے تحت بہر صورت مقدم رکھتی ہے، اسی بناء پر صاحب ایمان کیلئے ملی شعائر (نماز، روزہ، زکوۃ و حج) کی ادائیگی ضروری قرار پاتی ہے، اس طرح مومن کامل اخلاص و صداقت کا مجسمہ اور قوت ارادی، عزم و ہمت اس کے دست و بازو بن جاتے ہیں۔ حقیقی ایمان فرقہ واریت اور گروہ بندی کی سیاست میں الجھنے سے محفوظ رکھتا ہے جس سے صاحب ایمان کے نزدیک اعتقاد صادق اور عمل صالح ہی معیار قرار پاتا ہے پھر وہ ذاتی اور گروہی مفادات کے حصول کیلئے دینداری کی نمائش کو بھی حرام سمجھتا ہے اور یوں اس میں تعمیری سوچ اور اجتماعی خدمت کا جذبہ بیدار ہوجاتا ہے۔

ایمان تقلیدی جمود و تنگ نظری کی بجائے حق پر شعوری ثابت قدمی کا تقاضہ کرتا ہے اور زندگی کی کشاکش سے نبرد آزمائی اور مصائب و مشکلات جھیلنے کیلئے آمادہ کرتا ہے اور اسی بناء پر مومن کی ہمہ وقت اللہ پر نظر رہتی ہے۔ اس لئے اس کے عقیدے میں کامیابی و ناکامی کا مدار قلت و کثرت کی بجائے نظریاتی رسوخ، اجتماعی نظم وضبط اور ذاتی جوہر و صلاحیت پر ہوتا ہے۔ اسکی اخلاقی سطح نہایت بلند اور معیاری ہوتی ہے، وہ ہمیشہ ترقی اور اولوالعزمی کے جذبات سے سرشار ہوتا ہے، وہ ضبط نفس کے ساتھ ایثار و قربانی کے عمل کے ذریعے حقوق کے حصول اور تحفظ کی جدوجہد میں پیش پیش ہوتا ہے۔ حقیقی ایمان باللہ انسان کے اندر علم و حکمت کی طلب، بصیرت نفس اور صحیح ذوق و وجدان پیدا کرتا ہے اس کے برعکس جب دین رسمی اور روایتی شکل اختیار کرلیتا ہے تو معاشرہ ہر قسم کی اعتقادی، اخلاقی، معاشرتی، نفسیاتی، معاشی اور سیاسی گراوٹ کا شکار ہوجاتا ہے(۹)

الحاصل صحیح بخاری کی کتاب الایمان کے مطالعہ کے وقت جہاں یہ ملحوظ رکھا جاتا ہے کہ اس سے امام بخاری کے دور میں موجود "مرجئہ" فرقہ کے نظریات کی تردید کیجارہی

Marfat.com

ہے، وہیں موجودہ دور کی اس سوچ کی تغلیط اور بودا پن بھی مد نظر رکھنا ضروری ہے کہ "دنیوی اور اخروی کامل فلاح و کامیابی کا دارومدار عملی تقاضوں سے بیگانہ محض زبانی ایمان پر ہے"۔

اہل حق کے ہاں اعمال کو جزو ایمان شمار کرنے کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ہاتھ، پاؤں جیسے اعضاء یہ سب انسان کے اجزا ہیں کہ انسان ان کے ہوتے ہوئے اور ان کے نہ ہوتے ہوئے دونوں صورتوں میں انسان ہی کہلاتا ہے۔ تاہم یہ فرق ضرور ہے کہ پہلی صورت میں وہ کامل انسان اور دوسری صورت میں ناقص شمار ہوتا ہے، اسی طرح اعمال کے ساتھ ایمان کامل اور ان کے بغیر ناقص ہے(۱۰)

ایمان کی تعبیر میں اختلاف کے ساتھ ساتھ اہل حق میں ایک اور اختلاف رائے بھی ہے کہ امام بخاری سمیت تمام محدثین کا موقف ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہو سکتی ہے اسی لئے ان کا جملہ ہے "یزید و ینقص" جبکہ متکلمین کے ہاں ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ در حقیقت ایمان اگر تصدیق و اقرار کے علاوہ عمل پر بھی مشتمل ہو تو لازماً عمل کے زیادہ اور کم ہونے سے ایمان میں کمی و بیشی لازم آئے گی۔ اور اگر ایمان کی تعبیر محض تصدیق و اقرار ہو تو اس میں کمی و بیشی ممکن نہیں تاہم ایمان کی کیفیت میں اضافہ اور اس میں کمی ایک حقیقت ہے۔

امام بخاری نے اس امر کو ثابت کرنے کیلئے ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے، کئی آیات اور حدیث و آثار پیش کئے ہیں، جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس سلسلے میں ایمان، اسلام، ھدی، تقوی، دین، تسلیم اور بر کو ایک مفہوم میں لیا ہے۔

(۱) قال اللّٰہ تعالی : لیزدادوا ایمانا مع ایمانھم (۱۱)

(اللہ تعالی کا ارشاد ہے تا کہ ان کے (پہلے) ایمان کے ساتھ اور ایمان زیادہ ہو)

یہ جملہ سورۂ فتح کی ایک آیت کا حصہ ہے جس کا پس منظر یہ ہے جب رسول اکرم ﷺ نے صلح کی بات چیت کیلئے اپنے داماد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ بھیجا تو وہاں سے آپ کو ان کی شہادت کی خبر ملی جس پر آپ نے اپنے صحابہ سے بیعت لی کہ خون عثمان کا بدلہ لیا جائے گا، تاریخ میں یہ بیعت، بیعت رضوان کے

نام سے موسوم ہے، اس موقعہ پر صحابہ کرام کا جوش و خروش دیدنی تھا، بعد ازیں جب آپ کا کفار مکہ سے معاہدہ ہو گیا جس کو صلح حدیبیہ کہا جاتا ہے تو صحابہ کرام نے اپنے جذبات بالائے طاق رکھتے ہوئے آپ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا، گویا جنگ کیلئے بیعت اور صلح پر رضامندی دونوں آپ کے حکم کے مطابق تھے، اور آپ کے احکام کی اطاعت سے نور ایمان بڑھتا ہے۔

(۲) و زدناهم هدی (۱۲)

(ہم نے ان کو اور زیادہ ہدایت دی)

یہ سورہ کہف کی ایک آیت کا جزو ہے جس کا شان نزول یہ ہے کہ روم کے ایک ظالم و جابر اور بت پرست بادشاہ کے جبر و اکراہ سے عام لوگ اسکی اور بتوں کی پرستش کرنے لگے اور اس کے جائز و ناجائز احکام کی تعمیل کرنے لگے تو اس سر زمین کے چند نوجوانوں نے کمال استقلال کا مظاہرہ کرتے ہوئے بادشاہ کے سامنے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی ربوبیت کا اعلان کیا اور اس کی طاغوتی حکومت کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا، ان کے اس عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کی ہدایت اور راست روی میں مزید اضافہ کر دیا اور انہیں استقامت کی توفیق دی۔

(۳) یزیدالله الذین اهتدوا هدی (۱۳)

(جو لوگ سیدھی راہ پر ہیں ان کو اللہ اور زیادہ ہدایت دیتا ہے)

(۴) والذین اهتدوا زادهم هدی و آتاهم تقواهم (۱۴)

(جو لوگ راہ راست پر ہیں ان کی ہدایت میں اللہ نے اضافہ کیا اور انہیں تقویٰ عطا کیا)

(۵) و یزداد الذین آمنوا ایمانا (۱۵)

(جو لوگ صاحب ایمان ہیں ان کے ایمان میں اور اضافہ ہوتا ہے)

(٦) ایکم زادته هذه ایمانا. فاما الذین آمنوا فزادتهم ایمانا (١٦)

(جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو کچھ لوگ کہتے ہیں) اس سورت نے تم میں

Marfat.com

سے کس کا ایمان بڑھایا (جبکہ) وہ لوگ جو صاحب ایمان ہیں تو اس سورت نے ان کے ایمان میں اضافہ کیا ہے۔

(۷) و قوله جل ذكره فاخشوهم فزادهم ايمانا (۱۷)

(لوگوں نے مسلمانوں سے کہا) ان (کفار مکہ) سے ڈرو (لیکن) اللہ نے ان کے ایمان میں اضافہ کیا)

یہ اس وقت کا ذکر ہے جب ابوسفیان اپنے لشکر کے ہمراہ غزوۂ احد کے بعد واپس جارہا تھا تو اسے راستہ میں خیال آیا کہ زخم خوردہ مسلمانوں پر بھرپور وار نہ کرکے غلطی ہوئی چنانچہ کفار میں احد کی طرف واپسی کے مشورے ہونے لگے۔ جب رسول اکرم ﷺ کو اس بابت علم ہوا تو فوراً صحابہ کے ہمراہ مقابلہ کیلئے حمراء الاسد کے مقام پر پہنچے، ابوسفیان پر آپ کی آمد کی خبر سے سخت دہشت طاری ہوئی اور اس نے مکہ مکرمہ جانے میں ہی عافیت سمجھی تاہم اپنی خفت مٹانے کیلئے راستہ میں عبدالقیس قبیلہ کے ایک تجارتی قافلہ کو اس بات کیلئے آمادہ کیا کہ وہ مسلمانوں کے سامنے قریش کی جنگی تیاری کا جھوٹا پروپیگنڈہ کریں لیکن اس سے مسلمانوں میں بجائے خوف و ہراس کے جذبۂ ایمان میں اضافہ ہو گیا۔

(۸) و قوله تعالى: و مازادهم الا ايمانا و تسليما (۱۸)

(اللہ نے ان (مسلمانوں) میں ایمان و اطاعت کا ہی اضافہ کیا۔)

اللہ کا یہ انعام اس وقت ہوا جب غزوۂ خندق کے موقعہ پر کفار کی فوجیں مسلمانوں پر چاروں طرف سے امنڈ آئیں اور بظاہر خوف و ہراسیمگی کی فضا تھی لیکن مسلمان اپنی ایمانی کیفیت میں ترقی محسوس کر رہے تھے۔

(۹) الحب فى الله و البغض فى الله من الايمان

(اللہ کی راہ میں محبت رکھنا اور اللہ کی راہ میں عداوت ایمان کا حصہ ہے۔)

اس حدیث کو امام ابوداؤد نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے(۱۹) امام بخاری کا یہ انداز بیاں ہے کہ جب کوئی حدیث سند کی بناء پر ان کی اپنی شرط کے مطابق نہیں ہوتی اور اس کا مضمون صحیح ہوتا ہے تو وہ اسکی جانب ترجمۃ

(عنوان) میں اشارہ کرتے ہیں، اس حدیث سے امام بخاری کا انداز استدلال کچھ یوں ہے کہ حدیث میں چونکہ اللہ کیلئے محبت و عداوت کو ایمان کا جزو قرار دیا گیا ہے اور محبت و عداوت میں شدت و نرمی کے اعتبار سے درجات ہوتے ہیں اس لئے ایمان کے اندر بھی کمی و بیشی کے لحاظ سے مراتب و درجات ہوں گے(۲۰)

(۱۰) و کتب عمر بن عبد العزیز الی عدی بن عدی: ان للایمان فرائض و شرائع و حدودا و سننا، فمن استکملها فقد استکمل الایمان و من لم یستکملها لم یستکمل الایمان، فان اعش فسابیّنها لکم حتی تعملوا بها، و ان امت فما أنا علی صحبتکم بحریص.

(خلیفہ عادل حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے حضرت عدی بن عدی (حاکم جزیرہ) کو لکھا کہ ایمان میں فرائض (جیسے ارکان اسلام) شرائع (عملی تقاضے) حدود (یعنی شرعاً حرام شدہ امور) اور مستحب و مسنون امور ہیں پھر جس شخص نے ان کو مکمل ادا کیا تو اس نے ایمان کی تکمیل کی اور جس نے ان کی تکمیل نہیں کی اس نے ایمان کو مکمل نہیں کیا۔ تو اگر میں زندہ رہا تو ان کو تمہارے سامنے بیان کردوں گا تاکہ تم ان پر عمل کرسکو اور اگر میرا انتقال ہوگیا تو مجھے تمہاری صحبت میں رہنے کی کوئی ہوس نہیں (کہ مرنے پر کوئی حسرت ہو۔)

چونکہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے ایمان کے مکمل اور ناقص ہونے کا ذکر کیا ہے، اس بناء پر امام بخاری نے ان کے اس قول کو یہاں پیش کیا کہ ایمان میں کمی و بیشی ہوتی ہے۔ مذکورہ بالا تعلیق کو امام احمد بن حنبل اور ابوبکر بن ابی شیبہ نے سند متصل کے ساتھ ذکر کیا ہے(۲۱)

(۱۱) و قال ابراهیم: و لکن لیطمئن قلبی(۲۲)

(حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا (مرنے والوں کے دوبارہ زندہ ہونے سے متعلق ان کا سوال اس لئے ہے) تاکہ میرے دل کو اطمینان ہوجائے)

مرنے والوں کی دوبارہ زندگی سے متعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام کو علم الیقین پہلے ہی حاصل

Marfat.com

تھا، سوال کا منشاء عین الیقین یعنی مشاہداتی علم حاصل کرنا تھا، مندرجہ بالا جملہ قرآن حکیم کی ایک آیت سے ماخوذ ہونے کے باوجود امام بخاری نے اس کا ذکر دیگر قرآنی آیات کے ساتھ اس لئے نہیں کیا کہ اس میں صراحت اور وضاحت کے ساتھ ایمان میں اضافہ کا ذکر نہیں تھا بلکہ اس حوالہ سے استدلال ہے کہ اطمینان قلب سے ایمان میں اضافہ اور بڑھوتری ہوتی ہے

(۱۲) قال معاذ: اجلس بنا نومن ساعة

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے (اسود بن ہلال سے) فرمایا ہمارے پاس بیٹھو تاکہ ایک گھڑی ایمان کی باتیں کریں، یہ قول امام احمد اور ابن شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے(۲۳) اس میں ایمان کے بارے میں گفتگو پر ایمان کا اطلاق کیا گیا ہے اور یہ گفتگو طویل و مختصر دونوں نوعیت کی ممکن ہے، اس طرح ایمان میں بھی کمی و بیشی ہو سکتی ہے۔

(۱۳) و قال ابن مسعود: الیقین الایمان کله

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ یقین پورا ایمان ہے، اس قول سے امام بخاری کا استدلال بقول علامہ بدرالدین عینی یوں ہے کہ یہاں "کل" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ ایمان کئی اجزاء پر مشتمل ہے، اور یہی امام بخاری کا کہنا ہے کہ ایمان ایک مرکب حقیقت ہے(۲۴) حافظ ابن حجر عسقلانی کا اس سلسلے میں موقف یہ ہے کہ امام بخاری کا استدلال مندرجہ بالا جملہ سے نہیں ہے بلکہ معجم طبرانی میں سند صحیح کے ساتھ موصولا مروی دوسرے جملے سے ہے یعنی الصبر نصف الایمان (صبر آدھا ایمان ہے) کہ "نصف" کا لفظ اس حقیقت کی علامت ہے کہ ایمان کے متعدد اجزاء ہیں(۲۵) حافظ ابن حجر کے اس موقف سے اس امر کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ امام بخاری کا انداز استدلال کس قدر عمیق اور پُرپیچ ہوتا ہے اسی لئے تو کہا گیا ہے کہ امام بخاری کی دانش ان کے تراجم (عنوانات) میں پنہاں ہے۔

(۱۴) و قال ابن عمر: لایبلغ العبد حقیقة التقوی حتی یدع ماحاک فی الصدر

Marfat.com

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ بندہ تقوی کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکتا یہاں تک کہ ان باتوں کو ترک کردے جو دل میں خلش پیدا کریں (یعنی جن کے جائز و ناجائز ہونے میں شبہ ہو) اس قول سے چونکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگ تقوی کی حقیقت کو پالیتے ہیں اور کچھ نہیں تو اس سے ایمان کی کمی و بیشی کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کیونکہ تقوی اور ایمان کے مفہوم ایک دوسرے کے قریب ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ کے اس قول کو امام بخاری نے گو تعلیقاً (مکمل سند کے بغیر) ذکر کیا ہے جبکہ امام مسلم نے نہ صرف موصولا بلکہ مرفوعاً ذکر کیا ہے(۲۶)

(۱۵) و قال مجاهد: شرع لكم من الدين ماوصى به نوحاً(۲۷) اوصيناك يا محمد و اياه دينا واحدا، و قال ابن عباس: شرعة و منهاجا: (۲۸) سبيلا و سنة

مشہور مفسر حضرت مجاہد بن جبر نے سورۂ شوری کی آیت (اللہ نے تمہارے لئے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا الخ) کی تفسیر یوں بیان کی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو اور حضرت نوح علیہ السلام کو ایک ہی دین کا حکم دیا اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے سورۂ مائدہ کی آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ ہم نے ہر ایک (امت) کیلئے راستہ اور طریقہ مقرر کردیا ہے، حضرت ابن عباس کے قول کو علامہ عبد الرزاق نے اپنی تفسیر میں موصولاً ذکر کیا ہے(۲۹)

یہاں امام بخاری کا استدلال دونوں اقوال کے مجموعہ سے ہے کہ حضرت مجاہد کے قول سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء کا دین ایک ہے، اور حضرت ابن عباس کی تفسیر سے یہ امر واضح ہوا کہ انبیاء کی شریعتوں میں کچھ احکام کی کمی بیشی ہے لہذا دین کے اندر اضافہ و کمی سے ایمان میں کمی و بیشی کے موقف کی تائید ہوتی ہے۔

(۱۶) دعاؤكم (۳۰) ايمانكم

علامہ ابن جریر نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سورۂ فرقان کی آخری آیت میں آنے والے لفظ "دعاء" کی تفسیر ایمان نقل کی ہے، گویا دعاء کے عمل کا اطلاق ایمان پر کئے جانے سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ عمل جزو ایمان ہے۔ اس

Marfat.com

قول کو ابن جریر نے موصولاً ذکر کیا ہے(۳۱)

حدثنا عبید اللّٰہ بن موسی قال: اخبرنا حنظلة بن ابی سفیان عن عکرمة بن خالد عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنهما قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم (بنی الاسلام علی خمس: شهادة أن لااله الا اللّٰہ و ان محمدا رسول اللّٰہ و اقام الصلاة، و ایتاء الزکاة، و الحج، و صوم رمضان)

ترجمہ: عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے، گواہی دینا اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی سچا خدا نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوۃ دینا اور حج ادا کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔

توضیح: حدیث میں اسلام کو ایسے خیمے سے تشبیہ دی گئی ہے جس کے بقاء کا دارومدار پانچ کھونٹیوں پر ہے ایک، درمیان میں اور چار، چار گوشوں میں کہ درمیان کی کھونٹی اگر نہ ہو تو دیگر کھونٹیوں کے باوجود خیمہ کھڑا نہیں ہوگا، یہی نوعیت اسلام کے امور خمسہ کی ہے، توحید و رسالت کی شہادت کی حیثیت عمود (ستون) کی ہے جس پر خیمۂ اسلام کھڑا ہے۔ نماز، زکوۃ، روزہ اور حج کناروں کی کھونٹیوں کی حیثیت رکھتے ہیں جن سے رسیاں باندھی جاتی ہیں۔ اگر عقائد اسلام میں تزلزل آگیا تو باقی سب اکارت ہیں اور اگر توحید و رسالت کا عقیدہ موجود ہے تو اسلام باقی ہے گو جس طرف کھونٹی نہیں ہوگی، رسیاں ڈھیلی پڑجائیں گی اور خیمہ یا دین اس طرف سے ناقص رہے گا(۳۲)

زیر نظر حدیث میں پانچ امور کا تذکرہ ہے۔

(۱) توحید الٰہی و رسالت محمدی کی گواہی یعنی اس امر کا صدق دل سے اقرار کہ اللہ تعالی نہ صرف اپنی ذات میں بلکہ اپنی صفات و افعال میں یکتا ہے کہ اس میں اس کا کوئی شریک نہیں، اسی طرح اطاعت اور تشریع میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

شرک کا صرف یہی مفہوم نہیں کہ ہر بات اور ہر معاملہ میں کسی کو اللہ کے مساوی اور ہمسر قرار دیا جائے بلکہ اس کا جامع مفہوم یہ ہے کہ دلی طور پر تکوین و تشریع میں کسی کو

۳۶۸۶۹

مستقل اختیار (خواہ کسی کو عطا کردہ ہو) کا مالک جان کر اس کے سامنے اپنی عاجزی و درماندگی کا اظہار کیا جائے، چنانچہ اسی بناء پر اہل عرب مشرک قرار پاتے ہیں کہ وہ حج کے تلبیہ میں یہ کلمات ادا کیا کرتے تھے "لبیک اللھم لبیک، لبیک لاشریک لک الا شریکا ھولک تملکہ ومالک" (حاضر ہیں اے اللہ! حاضر ہیں، حاضر ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں سوائے ایک شریک کے جس کا تو مالک ہے اور وہ (خود مستقل) مالک نہیں) اور اسی وجہ سے نصاریٰ کے بارے میں قرآن حکیم نے واضح کیا کہ انہوں نے اپنے علماء ومشائخ اور حضرت مسیح بن مریم کو اللہ کے علاوہ اپنا رب بنا رکھا ہے (۳۳) کہ وہ انہیں چیزوں کے حلال و حرام قرار دینے کے اختیار کا مالک گردانتے تھے۔

عقیدۂ توحید محض ایک نظری عقیدہ نہیں بلکہ یہ نظریۂ انسانیت ہے جو انسانی زندگی کو انفرادی واجتماعی طور پر مثبت اور ہمہ گیر تبدیلی سے روشناس کراتا ہے، مثلاً یہ عقیدہ اپنے ماننے والے میں حریت و آزادی کے جذبات کی پرورش کرتا ہے کہ وہ شخص ہر قسم کے دباؤ کے سامنے جھکنے کی بجائے مردانہ وار اپنا کردار ادا کرتا ہے، اس کا سر صرف رب کائنات کے سامنے جھکتا ہے اور اپنے جیسے انسان یا اپنے کمتر مخلوق کے سامنے کبھی وہ دست بستہ کھڑا نہیں ہوتا، اس طرح اس کے اندر خوشامد و چاپلوسی کی جگہ خودداری کی صفت کو جلا ملتی ہے، یوں انسانیت کا وقار محفوظ رہتا ہے، اس عقیدہ سے انسان کے دل میں بزدلی کی جگہ شجاعت و بہادری کے جذبات فروغ پاتے ہیں جس کے نتیجہ میں وہ دنیا کی ہر جابر قوت کے سامنے سپر ڈالنے کی بجائے مزاحمت کو ترجیح دیتا ہے، اسی عقیدہ کے بدولت انسانی نظر ذاتی، عائلی، نسلی دائروں سے نکل کر دائرہ انسانیت تک بلکہ تمام کائنات تک وسیع ہوجاتی ہے کہ وہ اس ذات پر ایمان رکھتا ہے جو جہانوں کی پالنہار ہے اور یہ عقیدہ انسان کو نظم وضبط کے رویوں سے روشناس کراتا ہے کہ وہ اپنے معبود کے احکامات کو بجالائے، یہ عقیدہ انسان دوستی کی جانب رہنمائی کرتا ہے کہ تمام انسان، اس کے معبود و محبوب کے پیدا کردہ ہیں، صوفیاء کرام نے تو عقیدہ توحید کی اس عملی شکل یعنی انسان دوستی کو اصول دین میں سے قرار دیا ہے، ان کا تو یہ نظریہ تھا کہ جس شخص کو صرف اپنے گروہ سے محبت ہے اور دوسروں کو (جو اس

Marfat.com

کے ہم عقیدہ نہ ہوں) نفرت سے دیکھتا ہے وہ سچا موحد اور خدا پرست نہیں ہوسکتا۔ (۳۴)

توحید کے علاوہ اس امر کی گواہی ضروریات ایمان میں سے ہے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں یعنی آپ کے ذریعہ انسانیت کو ابدی ہدایت کا پیغام الہی پہنچایا گیا۔ یوں تو انسان کی رہنمائی کیلئے حواس، عقل اور وجدان جیسے ذرائع موجود ہیں لیکن نفسانی تقاضوں سے متاثر ہونے کے سبب ان کی رہنمائی میں خلل بھی آجاتا ہے، جیسا کہ قرآن حکیم میں نشاندہی کی گئی ہے بظاہر دل اپنا معمول انجام دے رہا ہوتا ہے مگر اس میں حالات کی گہرائی تک پہنچنے کی صلاحیت مفقود ہوجاتی ہے۔ آنکھیں بظاہر مشاہدہ کررہی ہوتی ہیں مگر حقائق ان کی نظروں سے اوجھل رہ جاتے ہیں اور کانوں میں آوازیں آرہی ہوتی ہیں مگر بامقصد سماعت ختم ہوجاتی ہے، پھر خود انسان اپنے پاس موجود ذرائع کے باوجود تشنگی محسوس کرتا ہے، اس سچے احساس کے استحصال کیلئے بسا وقات پروہت طبقہ بھی وجود میں آجاتا ہے جو اپنے آپ کو خدا اور بندہ کے مابین تعلقات کار قائم کرانے کا ذریعہ قرار دیتا ہے اور اپنے من مانے قوانین کا طوق انسانوں کو اپنے گلے میں ڈالنے پر یہ کہکر مجبور کرتا ہے کہ اس سے انہیں اخرت کی کامیابی حاصل ہوگی اور کبھی ایسے فلسفے وجود میں لائے جاتے ہیں جن کی بھول بھلیوں میں انسان کھو کر اپنا زمام فکر فلسفیوں اور مفکروں کے ہاتھ میں تھما دیتا ہے جو اپنی فکری چابکدستی سے اسے اپنے دائرہ اثر میں محصور کئے رکھتے ہیں۔

انسان کی تلاش حق کی تشنگی مٹانے اور اسے مذہبی اور علمی و فکری استحصال سے بچانے کیلئے انبیاء ورسل مبعوث کئے گئے (یہ انبیاء ورسل ازخود اس منصب پر فائز نہیں ہوتے (وہبیت) نہ انپر ان کی خواہشات غالب آکر ان کی ہدایات کو آلودہ کرتی ہیں (عصمت) پھر ان کی سماجی زندگی معاشرے کے عمومی طور طریقے سے الگ تھلگ نہیں ہوتی (بشریت) اور اللہ تعالی کے پیغام کو من وعن پہنچاتے ہیں۔ اور وہ اسکی قولی وعملی وضاحت کرتے ہیں (نیابت وخلافت)، ان انبیاء ورسل میں رسول اکرم ﷺ کو جو اعلی مقام دیا گیا، اسکی مندرجہ بالا خصوصیات کے علاوہ ایک امتیازی خصوصیت ختم

Marfat.com

نبوت کی ہے کہ کمالات نبوت آپ پر مکمل کردیئے گئے اور آپ کی زندگی کو انسانیت کیلئے اسوۂ حسنہ قرار دے دیا گیا جس کی بناء پر تمام دنیا میں عدل اور حقانیت، خدا ترسی اور عدالت، اخلاص اور للہیت، سچی مساوات اور مکمل سیاست، کامل ہمدردی اور اخوت، انصاف اور جمہوریت پھیل گئی۔ بچوں کے قتل کی رسم مٹی، ناروا غلامی کا خاتمہ ہوا، انسانی حقوق میں مساوات قائم ہوئی، اہل ایمان کو اپنے مذہبی نمائندوں کیلئے جبریہ ٹیکس سے آزاد کردیا گیا، مغلوب مذاہب پر غالب کیلئے مذہبی چندوں کی رسم مٹادی گئی اور ان مفتوح اقوام کو بھی اپنوں کی طرح ہر قسم کے حقوق عطا کئے گئے جو اپنے ہی مذاہب کے پابند تھے۔

(۲) نماز قائم کرنا۔ انسان چونکہ اپنے وجود و بقاء میں اپنے خالق کا محتاج ہے اس لئے اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے خالق کے سامنے انتہائی عاجزی اور خشوع کا اظہار کرے اور اس انتہائی عاجزی کی تمام صورتیں نماز میں جمع کردی گئی ہیں یعنی قیام، رکوع، سجود اور دعاء وغیرہ اور تمام عبادات میں حقیقی عبادت یہی نماز ہے۔ جیسے انسان ایک جامع حقیقت ہے اسی طرح اس کی عبادت بھی جامع ہے چنانچہ اہل حکمت و دانش کہتے ہیں کہ نماز محض انسان پر نہیں بلکہ کائنات کے ذرے ذرے پر فرض ہے، درخت حالت قیام میں نماز ادا کررہے ہیں، چوپائے حالت رکوع میں ہیں، پہاڑ حالت تشہد میں ہیں، حشرات الارض سجدہ میں اوندھے پڑے ہیں، چاند، سورج اور زمین گردش سے محو عبادت ہیں، جنت و جہنم دعاء میں مصروف ہیں (کہ اللہ! ہمیں بھر دیجئے) اور فرشتے صف بندی کی صورت میں نماز ادا کررہے ہیں، جبکہ انسان کی نماز میں یہ سب عبادتیں جمع ہیں، مزید برآں اسلام میں تمام ملتوں کی نمازیں جمع ہیں کہ گذشتہ امتوں میں کسی کو محض رکوع کی نماز کا حکم تھا تو کسی کو محض سجدہ یا محض قیام کی نماز کی ہدایت تھی (۳۵)

(۳) زکوٰۃ کی ادائیگی۔ اسلام نے مالیات کی بنیاد تقسیم کے اصول پر رکھی ہے، جمع کے اصول پر نہیں یعنی دولت کی گردش تمام معاشرے میں ضروری ہے تاکہ اعتدال و توازن پر مبنی صحتمند سوسائٹی وجود میں آئے، بصورت دیگر سوسائٹی بیمار ہوکر

Marfat.com

فنا کے گھاٹ اتر جائے گی، اسکی مثال ایسی ہے جیسے انسانی بدن کے خلیوں میں خون آتا ہے، اگر ایک خلیہ خون کو دوسرے خلیات کی طرف منتقل کرتا ہے تو اس سے بدن کی صحت قائم رہے گی اور اگر خلیہ بیمار ہوجائے اور خون بجائے منتقل کرنے کے جمع کرنے لگے تو اس سے بدن کی صحت متاثر ہوگی، معاشرے میں مال کی گردش قائم کرنے کیلئے زکوۃ کا ایک مستقل نظام وضع کردیا گیا ہے، تاہم اگر زکوۃ کی آمدنی سماجی توازن کے لئے ناکافی ہو تو پھر معاشرے کی صحت کیلئے مزید قانون سازی کی گنجائش ہے۔

(۴) رمضان کے روزے رکھنا۔ اس فریضہ کی ادائیگی سے انسان کے اندر موجود صفت ملکیت کو تقویت حاصل ہوتی ہے اور وہ اس امر کیلئے زیادہ بہتر انداز میں اپنا کردار ادا کرتا ہے کہ اسکی حیوانی اور بہیمی صلاحیتیں سماجی اصلاح میں سرگرم عمل ہوں، حیوانی اور بہیمی صلاحیتیں اگر ملکی صلاحیتوں پر غالب آجائیں تو معاشرے میں فساد کے جراثیم پنپنے لگتے ہیں۔

(۵) حج کی ادائیگی۔ یہ عبادت ایسی ہے کہ اس میں انسان کو جسمانی مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے اور مالی اخراجات سے بھی عہدہ برآ ہونا پڑتا ہے یعنی بدنی ومالی عبادات کا مجموعہ ہے، نہ صرف یہ بلکہ اس میں انسان کو اپنے جذبات پر بھی قابو رکھنا پڑتا ہے چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ جس پر حج لازم ہوجائے تو وہ نہ تو بیہودہ گوئی کرے گا، نہ فسق و نافرمانی کا ارتکاب کرے گا اور نہ ہی جھگڑے گا(۳۶) اس عبادت کو عبادت عشق بھی کہا گیا ہے کہ انسان اپنے جسمانی زیبائش اور لباس کی آرائش سے مستغنی ہو کر کہیں طواف کر رہا ہے (گھوم رہا ہے) کہیں ایک پہاڑی سے دوسری پہاڑی پر اور پھر واپسی کا سفر کر رہا ہے۔ کہیں وہ کھلے میدان میں پڑا ہے، کہیں وہ بال منڈوا رہا ہے، کہیں قربانی پیش کر رہا ہے، اور کہیں دشمنانِ محبوب کو سنگسار کر رہا ہے، پھر اس عبادت کے ذریعہ مسلمانوں میں تن پروی اور عیش پسندی کی جگہ جفاکشی اور محنت کے جذبات کی آبیاری کی جاتی ہے۔ مزید یہ کہ یکساں لباس پہنا کر تمام طبقاتی امتیازات بالائے طاق رکھنے کی تعلیم دی جاتی ہے اور ایک بین الاقوامی انسانی معاشرہ کی

جھلک دکھادی جاتی ہے، یوں حج عبادت کے ساتھ انسانی اجتماعیت کا نقیب بن جاتا ہے۔

یہاں حدیث میں حج کو روزہ سے پہلے ذکر کیا گیا ہے، یہ روایت بالمعنی ہے کیونکہ صحیح مسلم کی روایت میں روزہ کا ذکر حج سے مقدم ہے اور اس میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے تصریح کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے صیام رمضان کو حج سے مقدم ذکر کرتے ہوئے سنا (۳۴)

امام بخاری حضرت ابن عمر کی حدیث سے اس امر کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ ایمان قول و فعل دونوں کا نام ہے حدیث میں اسلام کی بنیاد محض توحید و رسالت پر ایمان نہیں بتائی گئی بلکہ نماز، زکوۃ، حج اور روزہ جیسے اعمال کو بھی اسلام کی بنیاد قرار دیا گیا ہے اور پھر ان اعمال کی ادائیگی میں کمی بیشی کے اعتبار سے ہر شخص دوسرے سے مختلف ہے جس سے ایمان کی کمی و بیشی کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

ایمانی امور
باب امور الایمان

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مندرجہ بالا حدیث سے یہ غلط فہمی ہوسکتی تھی کہ اسلام صرف پانچ امور میں منحصر ہے امام بخاری اب اس کا ازالہ کر رہے ہیں اور آیات قرآن نیز حدیث نبوی سے اسلام کی جامعیت کی نشاندہی کر رہے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ سے ایمان کی حقیقت دریافت کی تو آپ نے سورۂ بقرہ کی درج ذیل آیت تلاوت کی (۳۸) (امام بخاری نے اس روایت کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ ان کے شرائط پوری نہیں اترتی تھی)

امام بخاری نے آیت ذیل سے استدلال اس طرح کیا ہے کہ "بر" (بھلائی) کا

اطلاق عقائد اور اعمال دونوں پر ہوا ہے گویا اعمال ایمان میں داخل ہیں (اس طرح انہوں نے ایمان اور بر کو یکساں مفہوم میں استعمال کیا ہے)

و قول اللّٰہ تعالی لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق و المغرب و لکن البر من آمن باللّٰہ و الیوم الاخر و الملائکۃ و الکتاب و النبیین و آتی المال علی حبہ ذوی القربی و الیتامی و المساکین و ابن السبیل و السائلین و فی الرقاب و أقام الصلاۃ و آتی الزکاۃ و الموفون بعھدھم اذا عاھدوا و الصابرین فی البأساء و الضراء و حین البأس، أولئک الذین صدقوا و أولئک ھم المتقون. قد افلح المؤمنون. الذین ھم فی صلاتھم خاشعون. و الذین ھم عن اللغو معرضون. و الذین ھم للزکوۃ فاعلون. و الذین ھم لفروجھم حافظون. الا علی ازواجھم او ماملکت ایمانھم فانھم غیرملومین. فمن ابتغی وراء ذلک فاولئک ھم العادون. و الذین ھم لاماناتھم و عھدھم راعون. و الذین ھم علی صلواتھم یحافظون.

(اور اللہ تعالی کے اس قول میں بھلائی یہی نہیں، کہ منہ کرو اپنے مشرق کی طرف یا مغرب کی، لیکن بھلائی وہ ہے جو کوئی ایمان لائے اللہ پر، اور آخرت کے دن پر، اور فرشتوں پر، اور کتاب پر، اور نبیوں پر، اور دے مال اس کی محبت پر، رشتہ داروں کو، اور یتیموں کو، اور محتاجوں کو، اور راہ کے مسافر کو، اور مانگنے والوں کو، اور گردنیں چھڑانے میں اور قائم کرے نماز، اور دیا کرے زکوۃ، اور پورا کرنے والے اپنے قرار کو، جب عہد کریں، اور ثابت قدم رہنے والے سختی میں، اور تکلیف میں، اور لڑائی کے وقت، وہی لوگ ہیں جو سچے ہیں۔ اور وہی ہیں تقوی والے (اور دوسری جگہ ذکر ہے) یقینا فلاح پا گئے اہل ایمان جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں اور جو لغو باتوں اور کاموں سے کنارہ کشی کرنے والے ہیں اور جو اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں سوائے

Marfat.com

اپنے جوروں اور زیر نگیں سے کہ ان پر اس بابت کوئی ملامت نہیں پھر جو اس کے علاوہ کا طلبگار ہو تو ایسے لوگ حد سے نکلنے والے ہیں اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہدوں کا خیال رکھنے والے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔

پہلی آیت میں بر یعنی بھلائی کا اطلاق عقائد و عبادات کے علاوہ معاشرتی معاملات میں درست سمت اختیار کرنے پر بھی کیا گیا ہے جیسے رشتہ داروں اور معاشرتی و معاشی لحاظ سے پسماندہ رہ جانے والوں کے حقوق کی ادائیگی، مسافروں کی خبر گیری اور بیکسوں کی آزادی وغیرہ، اسی طرح ایفاء عہد اور مشکل حالات میں صبر و استقلال جیسے امور الغرض زیر نظر آیت میں تین اصولوں حسن اعتقاد، حسن معاشرت اور تہذیب نفس کا ذکر ہے۔ اسی طرح سورۂ مومنون کی ابتدائی آیات میں حسن عبادت اور حسن معاشرت کے اعمال کا تذکرہ ہے لہذا یہ سمجھنا کہ دین محض عقائد و عبادات کا مجموعہ ہے اور اسکا معاشرتی و سماجی معاملات اور حقوق العباد سے کوئی قریبی تعلق نہیں، کسی طور پر درست قرار نہیں پاتا ہے۔ اسی بناء پر امام شاہ ولی اللہ "ہمعات" میں لکھتے ہیں کہ

"بر یعنی بھلائی ان چار خصلتوں کا نام ہے جن کیلئے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کیا گیا ہے اور اس کے مقابلے میں "اثم" یعنی گناہ وہ عقائد، اعمال اور اخلاق ہیں جو انہی چار خصلتوں کی ضد ہیں ان میں سے ایک طہارت ہے جس کی طرف میلان ہر سلیم الفطرت انسان کے اندر ودیعت کیا گیا ہے اور طہارت ظاہری صفائی کے علاوہ اس وجدانی کیفیت کا نام ہے جو انسان کے اندر ظاہری اور باطنی صفائی سے پیدا ہوتی ہے اور جس کو انس اور نور سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

دوسری خصلت اخبات ہے یعنی اللہ تعالی کیلئے انتہائی درجہ کی عجز و نیازمندی کہ جب ایک سلیم الفطرت شخص طبعی و خارجی کشمکشوں سے فراغت کے بعد صفات الہی اور اس کے جلال و کبریائی میں غور کرتا ہے تو اس پر حیرت و دہشت کی ایک کیفیت طاری ہوجاتی ہے، یہی حیرت و دہشت، خشوع و خضوع یا اخبات یعنی نیازمندی کی صورت اختیار کرلیتی ہے، اس خصلت کے ضمن میں تمام عبادات آجاتی ہیں۔

تیسری خصلت سماحت ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ نفس طلب لذت، حب

Marfat.com

انتقام، حسد، غیبت، بخل اور دیگر مذموم اخلاق سے مغلوب نہ ہو، اس ذیل میں عفت، جدوجہد، صبر، عفو و درگزر، سخاوت، قناعت اور تقوی آجاتے ہیں۔ شکم اور شرمگاہ کی خواہش قبول نہ کرنے کا نام عفت اور پاکدامنی ہے، آسائش اور ترک عمل کی خواہش قبول نہ کرنے کا نام قناعت ہے۔ شریعت کی بنائی ہوئی حدود سے تجاوز نہ کرنا تقوی ہے، علاوہ ازیں رسول اکرم ﷺ سے منقول ایک روایت میں تقوی کی تفسیر سورۂ نحل کی اس آیت سے کی گئی ہے جس میں عدل و احسان کے قیام، رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی اور فحشاء، منکر اور بغی (ظلم) سے اجتناب کا حکم ہے(۳۹)

چوتھی خصلت عدالت ہے، سیاسی اور اجتماعی نظاموں کی روح رواں یہی خصلت ہے ادب، کفایت، حریت، سیاست مدنیہ اور حسن معاشرت وغیرہ سب عدالت کی شاخیں ہیں، اپنی حرکات و سکنات پر نگاہ رکھنا، عمدہ اور بہتر وضع اختیار کرنا اور دل کو ہمیشہ اس طرف متوجہ رکھنا ادب ہے، جمع و خرچ، خرید و فروخت اور تمام معاملات میں عقل و تدبر سے کام لینا کفایت ہے خانہ داری کے کاموں کو بخوبی انجام دینا حریت ہے اور شہروں اور لشکروں کا اچھا انتظام کرنا سیاست مدنیہ ہے بھائیوں میں نیک زندگی بسر کرنا، ہر ایک کے حق کو پہچاننا اور ان سے الفت و بشاشت سے پیش آنا حسن معاشرت ہے۔

یہی چار اخلاق ہیں جنکی تکمیل سے انسانیت کو ترقی حاصل ہوتی ہے جبکہ ان کے ترک کرنے سے انسان قعر مذلت میں جا گرتا ہے(۴۰)

علاوہ ازیں سورۂ مؤمنون کی ابتدائی آیات میں مومنین کی روحانی، اخلاقی اور معاشرتی صفات بیان کی گئی جن سے امام بخاری اس جانب متوجہ کرنا چاہتے ہیں کہ ایمان میں قول و فعل دونوں ہی داخل ہیں اور اس لئے اسمیں کمی بیشی بھی ہو سکتی ہے۔

حدثنا عبد الله بن محمد قال حدثنا أبوعامر العقدى قال: حدثنا سليمان بن بلال، عن عبدالله بن دينار، عن ابى صالح، عن ابى هريرة رضى الله تعالى عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال (الايمان بضع و ستون شعبة والحياء

شعبة من الایمان)

ترجمہ: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایمان کی ساٹھ سے زائد (تقریباً سرسٹھ) شاخیں ہیں اور حیا (شرم) بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔

توضیح: اس حدیث میں ایمان کو گویا ایک درخت سے تشبیہ دی گئی ہے کہ اس سے متعلقہ شعبے، شاخوں کی مانند پھوٹ رہے ہیں اور ان شعبوں میں قولی اور فعلی دونوں قسم کے امور شامل ہیں جن کی ایک فہرست آیت بر اور آیت مومنون میں بیان کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں میں یہاں حیا کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا کہ یہ شعبہ، زندگی کے دیگر پہلوؤں پر اثر انداز ہوتا ہے، اگر کسی کو کامل حیا حاصل ہو تو وہ ان تمام امور سے پرہیز کرے گا جن سے اسے روکا گیا ہو نیز حیا، انسان کو تمام طاعات اور بھلائی کے امور بجالانے کی دعوت دیتی ہے۔

امام راغب نے حیاء کی تعبیر برے فعل سے طبعیت پر طاری ہونے والے انقباض سے کی ہے(۴۱) جبکہ شرعی اصطلاح میں حیا ایسی اخلاقی صفت کا نام ہے جو بری چیزوں سے پرہیز پر نفس کو آمادہ کرتی ہے اور حقدار کے حق میں کمی کرنے سے روکتی ہے(۴۲)

بعض صوفیاء نے حیاء کا مفہوم یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالی اپنے بندے کو وہاں نہ دیکھے جہاں سے اس نے اسے روکدیا ہے(۴۳)

آج معاشرے میں پیداشدہ ظلم و فساد کے اسباب میں سے ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ حیامعاشرے کی لغت سے خارج ہوتی جارہی ہے چنانچہ وسائل پر قابض افراد و طبقات کی طرف سے دوسروں کو حق سے محروم کرنے کی تدابیر اسی حقیقت کا عملی اظہار ہیں۔

فائدہ: اس حدیث کی سند میں عبد اللہ بن دینار کی روایت ابوصالح سے ہے اور دونوں تابعی ہیں لہذا یہ روایت الاقران (ہم سن یا ہم اساتذہ کی روایت) کہلائے گی(۴۴)

"بضعہ" کے لفظ کا اطلاق تین سے لیکر دس تک ہوتا ہے، بضعہ سے سات کا مفہوم لیا جانا زیادہ قرین صحت ہے(۴۵)

مسلمان کی خصوصیت

باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یده

حدثنا آدم بن أبی ایاس قال حدثنا شعبه عن عبد الله بن أبی السفر و اسماعیل عن الشعبی عن عبد الله بن عمرو رضی الله عنهما عن النبی صلی الله علیه وسلم قال (المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یده و المهاجر من هجر ما نهی الله عنه)

ترجمہ: عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ (کی ایذاء) سے مسلمان بچے رہیں اور مہاجر وہ ہے جو ان کاموں کو چھوڑے دے جن سے اللہ نے منع کیا۔

توضیح: اصول بلاغت میں یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ جب کسی چیز کو بلند مرتبہ پر دکھانا مقصود ہو تو اس پر "جنس" کا اطلاق کردیا جاتا ہے جس سے بظاہر یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ گویا یہ جنس اسی فرد میں منحصر ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے المال الابل یا الرجل زید کہ دولت تو اونٹ ہی ہے، یا مرد تو زید ہی ہے گویا نامکمل اور ناقص چیز کو کالعدم قرار دیدیا جاتا ہے(۴۶)

بلاغت کے اس اصول کی روشنی میں حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمان کہلانے کا حق اسی شخص کو ہے جس کے ہاتھ اور زبان کی ایذا سے مسلمان محفوظ رہیں اور مہاجر درحقیقت وہ ہے کہ جو ان چیزوں کو ترک کردے جن سے اللہ نے منع کیا ہے۔ (اس میں ایک گونہ تسلی بھی ہے کہ جو لوگ ظاہری ہجرت (یعنی رضاء الٰہی کی خاطر شعائر دین

بجالانے کیلئے ایک خطہ زمین سے دوسرے خطے کی طرف منتقل ہونا) کی فضیلت حاصل نہیں کرسکے، ان کے لئے معنوی ہجرت کا باب کھلا ہے)

اس قسم کی ترکیب کے استعمال میں ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ایک چیز کے لقب اور نام سے بطور اشتقاق اس طرح کا عار دلانا مقصود ہوتا ہے کہ تمہارا کردار تمہارے اچھے نام کے مفہوم کی ضد ہے لہذا کم از کم اپنے نام کی لاج رکھنی چاہئے، اس لئے مسلمان اور ہجرت کرنے والے کو کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہئے جو اسلام اور ہجرت کے مفہوم کے برعکس ہو(۴۷)

فقہاء اسلام کی تصریحات کے مطابق معاشرتی احکام کے لحاظ سے ذمی (یعنی وہ کافر جن کی جان و مال کی حفاظت کا ذمہ مسلمانوں نے لیا ہو اور وہ اسلامی مملکت کے شہری ہوں) بھی "مسلمون" کے ذیل میں آتے ہیں یعنی حقیقی مسلمان کی ایذاء سے ذمی کافر بھی محفوظ ہوتے ہیں اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ صحیح ابن حبان کی روایت میں "المسلمون" کی بجائے "الناس" کا لفظ ہے۔(۴۸) جس کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمان کی ایذاء سے تمام لوگ بلاامتیاز دین و مذہب محفوظ ہوتے ہیں گویا وہ معاشرے کیلئے سراپا رحمت ہوتا ہے اور جہاں مسلمان تشدد و تخریب کو اپنے لئے شیوۂ افتخار جانتے ہوں تو وہ دین سے جہالت کی علامت ہے۔ تاہم جو کافر اہل اسلام کے ساتھ حالت جنگ میں ہوں یعنی نہ تو ذمی ہوں، نہ مستامن (یعنی باقاعدہ اجازت لیکر اسلامی مملکت میں محدود عرصہ کیلئے آئے ہوئے ہوں) اور نہ معاہد (جن کے ساتھ دو طرفہ یا بین الاقوامی معاہدہ ہوا ہو) ہوں تو ظاہر ہے کہ ان کے احکام معروضی حالات کے مطابق ہی ہوں گے، خود قرآن حکیم نے اہل کفر کے دو طبقوں کا ذکر کیا ہے اور واضح کیا ہے کہ اللہ تعالی نے ایسے کافروں کے ساتھ حسن سلوک اور انصاف کرنے سے قطعاً منع نہیں کیا جنہوں نے اہل ایمان کو ان کے گھروں سے بیدخل نہیں کیا اور دین کو جنگ مسلط کرنے کا بہانہ نہیں بنایا، تاہم ایسے کفار کے ساتھ دوستی سے روکتا ہے جنہوں نے مسلمانوں سے دین کے بارے جنگ کی، ان کو عملاً بیدخل کیا یا بے دخلی میں تعاون کیا(۴۹)

حدیث بالا میں اس امر کی نشاندہی کی گئی ہے کہ اسلام اور ہجرت محض کسی محدود

Marfat.com

عمل کا نام نہیں بلکہ یہ ایسے حقائق ہیں کہ زندگی پر ان کے اثرات لازماً مرتب ہونے چاہئیں لہذا اسلام سے متصف شخص وہ ہوگا جس کی ہر نوع کی ایذاء سے دیگر افراد محفوظ و مامون رہیں اور اسلامی معاشرہ وہی کہلائے گا جہاں ایک دوسرے کے حقوق کے احترام کا ٹھوس اور مضبوط رویہ پایا جاتا ہو، اسی طرح راہ خدا میں اعلی اصولوں کی خاطر ترک وطن کرنے والوں کو نیا وطن اپنانے کے بعد نظم وضبط کا پابند رہتے ہوئے ان تمام اقوال و افعال سے پرہیز کرنا چاہئے جن سے اللہ تعالی نے منع کیا ہے۔

حدیث میں "لسان" کا ذکر "ید" سے پہلے اس بناء پر کیا گیا ہے کہ لسانی ایذاء کسی ایک زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں وہ ماضی، حال اور مستقبل پر محیط ہو سکتی ہے جبکہ ہاتھ کی ایذاء کا تعلق صرف زمانہ حال سے ہوتا ہے علاوہ ازیں لسانی ایذاء، ہاتھ کی ایذاء سے زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے، حدیث میں قول کی جگہ "لسان" کا ذکر کر کے ایسی ایذاؤں کو بھی شامل کر دیا ہے جو بغیر قول کے زبان سے ظہور پذیر ہوتی ہیں نیز "ید" کے ذکر میں وہ تمام امور شامل ہیں جو ہاتھ سے نفیاً یا اثباتاً تعلق رکھتے ہیں، مثلاً گرفت میں لینا، کاٹنا، جوڑنا، دینا، پکڑنا، مارنا، روک لینا وغیرہ (۵۰)

فائدہ: امام بخاری نے حدیث کی روایت کے بعد دو تعلیقات ذکر کی ہیں۔ اصول حدیث میں تعلیق کا اطلاق ایسی روایت پر کیا جاتا ہے جس کی سند میں کسی ایک یا ایک سے زائد راوی کا ذکر نہ کیا جائے (۵۱)

قال ابو معاوية حدثنا داود عن عامر قال سمعت عبد الله عن النبی صلی الله علیه وسلم و قال عبد الاعلی عن داود عن عامر عن عبد الله عن النبی صلی الله علیه وسلم

پہلی تعلیق سے مقصد شعبی کا نام بتلانا ہے کہ وہ عامر ہے نیز اس امر کی تصریح کہ عامر شعبی نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث سنی ہے واضح رہے کہ عامر شعبی، امام ابوحنیفہ کے استاد بھی ہیں۔

دوسری تعلیق میں اس امر کی وضاحت ہے کہ گو محدثین کے نزدیک قاعدہ اور ضابطہ یہ ہے کہ طبقہ صحابہ میں سند کے اندر جہاں عبداللہ کا ذکر بغیر کسی نسبت کے

Marfat.com

آئے وہاں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی مقصود ہوتے ہیں لیکن یہاں وہ مراد نہیں بلکہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما ہیں کیونکہ شعبی کا سماع حضرت ابن مسعود سے ثابت نہیں ہے۔

صاحب فضیلت مسلمان
باب ای الاسلام افضل

امام بخاری ایمان اور اسلام کو ایک ہی مفہوم میں استعمال کرتے ہیں مندرجہ بالا عنوان کہ اسلام کے کونسے امور اور خصلتیں افضل ہیں، سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ایمان میں مراتب و درجات ہیں اور یہ اس میں کمی و بیشی کا ثبوت ہیں۔

یہاں عربی قواعد نحو کی رو سے یہ اشکال کیا گیا ہے کہ "ای" تو متعدد اشیاء پر وارد ہوتا ہے جبکہ یہاں اس کے بعد مفرد لفظ (الاسلام) ہے، اس کا حل یہ ہے کہ اسلام کا لفظ اگرچہ مفرد ہے لیکن یہ اپنے متعلقات کے حوالے سے مفرد نہیں ہے کہ اسلام سے متعلقہ امور ایک سے زائد ہیں، علاوہ ازیں صحیح مسلم کی روایت میں "ای المسلمین" کا جملہ ہے جس کی رو سے اشکال ختم ہوجاتا ہے (۵۲)

✓ حدثنا سعيد بن يحيى بن سعيد القرشي قال حدثنا أبي قال حدثنا ابوبردة بن عبد الله بن ابي بردة عن ابي بردة عن ابي موسى رضي الله عنه قال : (قالوا: يا رسول الله أي الاسلام أفضل؟ قال من سلم المسلمون من لسانه و يده)

ترجمہ: ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ کونسا مسلمان افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس کے ہاتھ اور زبان (کی ایذاء) سے مسلمان بچے رہیں۔

حدیث کی توضیح گزشتہ باب میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

خوراک کی ضرورت پوری کرنا
باب اطعام الطعام من الاسلام

صحیح بخاری کی شارحین کا کہنا ہے کہ یہاں ابواب کی ترتیب میں عمدہ توازن و تناسب ہے، سب سے پہلے امام بخاری نے ایمان کی قولی و عملی حقیقت اور اس میں کمی و بیشی کی صفت کا عنوان قائم کیا اور اس میں اسلام کے بنیادی ارکان کا تذکرہ کیا، پھر امور ایمان کا باب ذکر کیا تا کہ اسلام کی جامعیت واضح ہوسکے، اس کے بعد مسلمان کی یہ بنیادی خوبی بیان کی کہ اس کی ایذاء سے دوسرے محفوظ رہتے ہیں، بعد ازیں ایک درجہ ترقی کر کے اس سے بہتر صفت ذکر کی کہ صرف یہی نہیں کہ اس سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے بلکہ ایک ایسا معاشرہ قائم کرے جو باہمی تعاون پر مبنی ہو جس میں محروم المعیشت افراد کے حقوق کی پاسداری اور ان کی عزت نفس کا خیال رکھا جاتا ہو اور جہاں ہر شخص دوسروں کے لئے امن و سلامتی کے جذبات رکھتا ہو خواہ اس سے ذاتی واقفیت نہ بھی ہو (اسی لئے مسنون سلام ہر ایک کو کہنا چاہیے) اس کے بعد امام بخاری نے اس سے اعلی درجہ بیان کیا کہ مسلمان دوسرے کو اپنے نفس جیسا سمجھے اور اس کے ساتھ وہی برتاؤ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے اور اس خوبی کی عملی تفسیر سے اخوت و بھائی چارہ کا معاشرہ وجود میں آجاتا ہے اور اس طرح انسان پر نظام کے دباؤ کی بجائے ضمیر کی آواز اور اخلاق کے تقاضے غالب آجاتے ہیں، بعد ازیں انہوں نے اس سے بھی اعلی درجہ ذکر کیا ہے کہ مسلمان بعض کے ساتھ اس قدر تعلق اور محبت پیدا کرے کہ انہیں اپنے نفس اور ساری کائنات پر ترجیح دے جیسے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ تعلق و محبت چنانچہ اسی مناسبت سے "باب حب الرسول ﷺ" قائم کیا اور یہ حقیقت ہے کہ جب محبت، قلب اور فکر و خیال پر چھاجاتی ہے اور محبوب کی محبت سے دل لبریز ہوجاتا ہے تو اس کے نتیجہ میں محبوب کے متعلقین بھی محبوب ہوجاتے ہیں، اسی حوالہ سے حب رسول کے بعد حب انصار کا عنوان لایا گیا ہے، الغرض یہ تدریجی ذکر امام بخاری کا تالیفی حسن

Marfat.com

ہے۔

بظاہر گزشتہ باب کی حدیث اور اس باب کی حدیث میں سوال ایک ہی نوعیت کا ہے جب کہ جواب مختلف ہیں، ایک سوال کے متعدد ج ، کی وجہ کبھی سائل کا مختلف ہونا، کبھی اوقاتِ سوال کا مختلف ہونا، اور کبھی رسول اکرم ﷺ کے شئون و احوال اور کیفیات کا مختلف ہونا ہوتا ہے (۵۳)

علاوہ ازیں دونوں حدیثوں میں مذکور سوالوں کی نوعیت بھی یکساں نہیں "افضل" سے مراد یہ ہے کہ جس میں اجر و ثواب زیادہ ہو اور خیر کا معنی ہیں جس میں فائدہ زیادہ ہو۔

حدثنا عمرو بن خالد قال حدثنا اللیث عن یزید عن ابی الخیر عن عبداللّٰہ بن عمرو رضی اللّٰہ عنہما (أن رجلا سأل النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم ای الاسلام خیر؟ قال: تطعم الطعام، و تقرأ السلام علی من عرفت و من لم تعرف"

(عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے ، ہے ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا اسلام کی کونسی خصلت ، ہے، آپ نے فرمایا کھانا کھلانا اور (ہر ایک کو) سلام کرنا اس کو پہچانتے ہو یا نہ پہچانتے ہو۔)

توضیح: حدیث میں پہلی خصلت یہ بتائی گئی کہ فارغ البال افراد کھانے پینے کے معاملے میں اپنے ضرورت مند بھائیوں کی خبر گیری کریں لیکن واضح رہے کسی محتاج کو چند لقمے دے کر اس کا پیٹ بھر دینا خبر گیری میں داخل نہیں ہے، رسول اکرم ﷺ نے ایک آدمی کو لکڑیاں بیچ کر خود کمانا سکھایا، یہ ہے اصل میں ضرورت مندوں کی خبر گیری کرنا، آج کل ہماری سوسائٹی میں جس ذلیل طریقے سے ضرورت مندوں کو روٹی کا ٹکڑا دیا جاتا ہے، یہ ان کو تباہ کرنے کا بدترین ذریعہ ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ ضرور تمندوں کی خبر گیری کے لئے جابجا منظم ادارے ہوں جہاں ضرورت مندوں کی جسمانی ضروریات اس طرح پوری کی جائیں کہ ان کی انسانیت کو صدمہ نہ پہنچے اور جو لوگ کام کرسکتے ہوں ان کے لئے کام بہم پہنچایا جائے یا ضرورت ہو تو انکو آلات

Marfat.com

کار مہیا کئے جائیں۔

اسلام مرفہ الحال لوگوں کو اپنی کمائی میں سے ایک حصہ ضرورت مند افراد کیلئے انکے حق کے طور پر اس لئے نکالنے کا حکم دیتا ہے کہ خدا تعالی نے فرد انسانی کی ساخت کچھ ایسی رکھی ہے کہ وہ معاشرہ میں ہی آگے بڑھ سکتا ہے، انفرادی زندگی میں اسے اپنی پوشیدہ قوتوں کو بروئے کار لانے کا موقعہ نہیں ملتا اور وہ منجمد ہو کر رہ جاتا ہے، جسکا اثر انسانی سوسائٹی کے دیگر افراد پر بھی پڑتا ہے اس لئے معاشرہ کو مضر اثرات سے محفوظ رکھنے کیلئے افراد کی خبر گیری ضروری ہے، بصورت دیگر اسے معاشرہ سوسائٹی اور اجتماع کہنا ہی ظلم ہے(۵۴)

حدیث میں دوسری خصلت سلام عام کرنے کی بیان کی گئی ہے، سلام در حقیقت ایک تحفہ ہے جس میں مخاطب کی سلامتی کی دعاء بھی ہے اور ابدی سلامتی کی بشارت بھی، نیز اپنی خیر خواہی سے مطمئن کرنا بھی، اس میں بشارت کے پہلو کے سبب اکثر فقہاء کافر کو سلام کرنے میں پہل سے منع کرتے ہیں، جواب کی صورت میں بھی مخاطب کو غلط طور پر بشارت دینے کے الفاظ استعمال کرنے سے روکتے ہیں لیکن اگر مقصود اس کی دنیوی سلامتی کی دعاء اور اپنی جانب سے معاشرتی اطمینان دلانا ہوتا کہ وہ اسلامی معاشرے سے اپنائیت محسوس کرکے اسلام سے قریب ہو تو اس حوالہ سے پوری گنجائش موجود ہے۔

بھائی کیلئے پسندیدہ جذبہ

باب من الایمان ان یحب لاخیه مایحب لنفسه

حدثنا مسدد قال: حدثنا یحیی عن شعبة عن قتادة عن انس رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم و عن حسین المعلم قال حدثنا قتادة عن انس عن النبی صلی الله علیه و

Marfat.com

سلم قال (لایؤمن احدکم حتی یحب لاخیه مایحب لنفسه)

ترجمہ: انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کوئی تم میں سے اس وقت تک مومن نہیں ہوگا یہاں تک کہ جو اپنے لئے چاہتا ہے وہی اپنے بھائی (مسلمان) کے لئے چاہے۔

توضیح: حدیث میں حقیقی مومن کی یہ علامت بتائی گئی ہے کہ اس کی دلی آرزو ہوتی ہے کہ دنیا و آخرت کی بھلائی میں معاشرے کے دیگر افراد بھی شریک ہوں اور یہ چیز ایمان کے تقاضوں میں سے ہے، اسی بناء پر مومن میں تواضع اور انکساری ہوتی ہے جبکہ حسد، کینہ، بغض، ریاکاری، دھوکہ دہی اور خود غرضی وغیرہ جیسے اخلاق ذمیمہ عدم تواضع یعنی تکبر، جاہ پرستی اور سرمایہ پرستی سے پیدا ہوتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے بذات خود ایسا معاشرہ قائم کیا جس کے افراد ایک دوسرے سے محبت کرنے والے اور باہمی مفادات کی نگہداشت کرنے والے تھے۔ جب سوسائٹی اس قسم کے افراد پر مشتمل ہوتی ہے تو وہاں افراد کے اعمال ان کے ضمیر کے تقاضوں سے سرزد ہوتے ہیں اور خوف خدا ہی انہیں ہمہ قسم کی برائیوں سے محفوظ رکھتا ہے، ایسی سوسائٹی مثالی شمار ہوتی ہے اور اسی کا نمونہ نبوت و خلافت راشدہ کا عہد ہے جہاں نظام کی حکمرانی کم نظر آتی ہے لیکن رسول اکرم ﷺ کی صحبت اور تربیت کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم از خود اعلیٰ انسانی تقاضوں کو پورا کیا کرتے تھے۔ اسی لئے اس معاشرے میں قانون کے جبر مثالیں بہت کم ملتی ہیں اور اسی حوالے سے اس دور کے مطالعہ سے کئی عقدے حل ہوسکتے ہیں۔

محقق عثمانی نے مذکورہ بالا حدیث کے دو مفہوم ذکر کئے ہیں:

(۱) انسان اپنے ابناء جنس سے اپنے لئے جس برتاؤ کی توقع رکھتا ہو، اسی قسم کا معاملہ اسے ان سے کرنا چاہیے مثلاً دیگر افراد اس کے ساتھ حسن خلق سے پیش آئیں تو اسے چاہیے کہ ان سے حسن اخلاق کا رویہ اپنائے، اسکی تائید ایک حدیث نبوی سے بھی ہوتی ہے کہ ایک شخص رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے ایمان لانے کیلئے یہ شرط رکھی کہ آپ اسے زنا کی اجازت دیدیں، یہ سن کر مجلس میں موجود صحابہ

کرام کے چہرے متغیر ہوگئے اور اسے ڈانٹنے لگے، مگر آپ نے صحابہ کو اس رد عمل سے منع کیا اور حکیمانہ انداز میں اس شخص سے مخاطب ہوئے، فرمایا کیا تم پسند کروگے کوئی تمہاری والدہ، بہن، بیٹی وغیرہ سے بدکاری کرے؟ اس نے کہا ہرگز نہیں آپ نے فرمایا تم جس سے بدکاری کروگے وہ بھی کسی کی ماں، بہن، بیٹی وغیرہ ہوگی، آپ کا یہ انداز اس کے دل میں اتر گیا پھر آپ نے اس کے لئے دعاء فرمائی اے اللہ! اس کی آنکھ اور شرمگاہ کو بیجا شہوت سے محفوظ فرما، بعد ازیں وہ شخص دائرہ اسلام میں داخل ہوگیا اور پھر کبھی اس نے غلط طور پر آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔

(۲) انسان اگر اس مقام پر ہوتا جہاں اس کا بھائی ہے تو وہ اس وقت جو اپنے لئے پسند کرتا، وہی اس وقت اپنے بھائی کے لئے پسند کرے جیسے کوئی تاجر پیشہ، کسی استاد سے تجارتی مشورہ چاہے تو ظاہر ہے کہ اس کے لئے یہی موزوں ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو اس کے مقام پر رکھ کر سوچے اور پھر اپنی پسند کی رائے دے نہ یہ کہ وہ اپنے پسندیدہ تدریسی معمولات اختیار کرنے کا اسکو مشورہ دیدے(۵۵)

الغرض حدیث کا منشا یہ ہے کہ اپنے حق میں جس قسم کا معاملہ پسند کیا جائے اور یہ خواہش کی جائے کہ لوگ اس کے ساتھ من پسند برتاؤ کریں، اسی قسم کا معاملہ اور برتاؤ دوسروں سے کرنا چاہئے ایسا نہ ہو جیسے "مطففین" یعنی تاجرانہ سیاست کاروں کی عادت ہوتی ہے کہ جب لوگوں سے اپنا حق لینا چاہیں تو پورا لیں اور جب حق کی ادائیگی کی نوبت آجائے تو اسمیں ٹال مٹول سے کام لیں یا ادھوری ادائیگی کریں(۵۶) یہی وجہ ہے کہ مشہور محدث قاضی عیاض کا قول ہے کہ یہ حدیث معاشرے میں مساوات کے قیام کی تعلیم دے رہی ہے اور مساوات اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت

باب حب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم من الایمان

حدثناابوالیمان قال: أخبرنا شعیب قال حدثنا ابوالزناد عن الاعرج عن أبی هریرة رضی اللّٰه عنه ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال (فوالذی نفسی بیده لایؤمن احدکم حتی أکون احب الیه من والده و ولده)

ترجمہ: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پس قسم ہے اس (خدا) کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوگا یہاں تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ اور اولاد سے زیادہ محبوب ہوجاؤں۔

توضیح: محبت کا لغوی معنی امام راغب کے بقول کسی چیز کو اپنے حق میں بہتر جان کر حاصل کرنے کا ارادہ کرنا ہے (۵۷) محبت کی کئی اقسام ہیں۔

(۱) حب طبعی یعنی محبت کا منشا انسانی طبعیت ہو، یہ محبت غیر اختیاری ہوتی ہے جیسے والدین کی اولاد سے محبت۔

(۲) حب احسانی کہ جس محبت کا منشا محسن کا احسان ہوتا ہے۔

(۳) حب جمالی یعنی محبت کا منشا حسن وجمال ہو خواہ سیرت کا حسن ہو یا صورت کا یا آواز کا۔

(۴) حب کمالی کہ محبت کا منشاء کمالات ہوتے ہیں جن کی وجہ سے صاحب کمال محبوب بن جاتا ہے۔

(۵) حب عقلی جس میں محبت کا منشاء عقلی ہوتا ہے جیسے مریض کیلئے آپریشن

Marfat.com

کا عمل گو طبعاً ناگوار ہے لیکن سبب شفاء ہونے کی وجہ سے عقل اسے پسند کرتی ہے۔

دائرہ اسلام میں آنے کیلئے بنیادی طور پر مقصود ایمانی عقلی محبت ہے کہ ہر مسلمان یہ جان کر رسول اکرم ﷺ سے محبت کرے کہ اس پر چونکہ اللہ تعالی کی محبت لازم ہے اور اسکی محبت کیلئے ضروری ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے محبت اور آپ کی اتباع کی جائے ساتھ ہی حب احسانی کا تقاضہ ہے کہ آپ کے انسانیت پر احسانات کو مستحضر رکھا جائے کہ آپ ہی کی وجہ سے معاشرہ دین فطرت اور فلاح ابدی کی منزل سے روشناس ہوا، نیز حب کمالی کا منشاء یہ ہے کہ آپ کے کمالات کو بھی پیش نظر رکھا جائے بلکہ ہر مسلمان کو رسول اکرم ﷺ کی محبت کو اس حد تک ترقی دینی چاہیئے کہ اس پر والدین اور اولاد سمیت تمام طبعی محبتیں قربان ہوجائیں، اس درجہ کی محبت ہی کی ترغیب اس حدیث میں دی گئی ہے، اور جب تک محبت کا یہ مقام نہ ہو تو وہ ناقص ہے، اعلی اور کامل محبت کا اندازہ تاریخ میں رقم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بیشمار واقعات سے لگایا جاسکتا ہے مثلاً اس صحابیہ خاتون کا واقعہ جس کا بیٹا، باپ اور شوہر راہِ حق میں شہید ہوگئے لیکن وہ اس کے باوجود آپ کی خیریت جاننے کیلئے بیتاب تھی اور آپ کی خیریت معلوم کرکے ہی اس کا اضطراب دور ہوا(۵۸)

علاوہ ازیں رسول اکرم ﷺ سے محبت آپ کے اوصاف ہدایت کے علاوہ آپ کی ذات اقدس کی وجہ سے بھی ہونی چاہیئے(۵۹)

رسول اکرم ﷺ نہ صرف بشری کمالات کے جامع ہیں بلکہ آپ کا ہر کمال اپنے آخری درجہ تک پہنچا ہوا ہے، آپ کی سیرۃ مبارکہ پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح سامنے آجاتی کہ جو کمالات گزشتہ انبیاء کرام کو علیحدہ علیحدہ دیئے گئے، وہ تمام کے تمام اکٹھے اور ساتھ ہی اپنے انتہائی اور فائق مقام کے ساتھ آپ کو عطا کئے گئے اور آپ میں جو مخصوص کمالات ہیں وہ الگ ہیں۔

ذیل کی چند مثالوں سے آپ کی ہر جہتی حیثیت سے امتیاز، فوقیت، فضیلت اور برتری کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

(۱) دیگر انبیاء منصب نبوت پر فائز ہیں تو آپ خاتم النبیین ہیں یعنی آپ پر

Marfat.com

نبوت اور کمالات نبوت کے تمام درجات مکمل ہوگئے اور نبوت اپنے علمی و اخلاقی کمالات کے ایسے انتہائی مقام پر آگئی ہے کہ بشریت کے دائرہ میں نہ علمی کمال کا کوئی درجہ باقی رہا نہ اخلاقی قدروں کا کوئی مرتبہ کہ جس کے لئے نبوت "خاتم" سے گزر کر آگے بڑھے۔

(۲) دیگر انبیاء قوموں و ملتوں کے مرجع ہیں تو آپ اس کے ساتھ انبیاء و رسل کے مرجع بھی ہیں۔

(۳) دیگر انبیاء اور تمام کائنات مخلوق ہیں تو آپ مخلوق ہونے کے ساتھ ساتھ سبب تخلیق کائنات بھی ہیں۔

(۴) دیگر انبیاء کو خصوصی علوم عطا ہوئے تو آپ کو اولین و آخرین کا علم دیا گیا۔

(۵) دیگر انبیاء کو خلق حسن اور خلق کریم عطا ہوا تو آپ کو خلق عظیم پر فائز کیا گیا، (خلق حسن یہ ہے کہ ظلم کرنے والے سے اپنا حق پورا پورا وصول کیا جائے لیکن کوئی زیادتی اور ناانصافی نہ کی جائے یہ مساوات ہے جو خلاف رحمت نہیں۔ خلق کریم یہ ہے کہ ظالم کے ظلم سے درگزر کرکے اپنا حق معاف کردیا جائے یہ کریم النفسی ہے اور فی الجملہ رحمت بھی ہے کہ اگر دیا نہیں تو لیا بھی نہیں اور خلق عظیم یہ ہے کہ ظالم کو نہ صرف اپنے حق کی ادائیگی معاف کردی جائے بلکہ مزید یہ کہ اس کے ساتھ سلوک و احسان بھی کیا جائے، اس خلق کی روح غلبۂ رحمت و شفقت اور کمال ایثار ہے)

(۶) دیگر انبیاء کو قابل نسخ کتابیں دی گئیں تو آپ کو ناسخ کتاب عطا کی گئی۔

(۷) دیگر انبیاء کو دین عطا کیا گیا تو آپ کو کمال دین دیا گیا جس میں کمی بیشی کی کوئی گنجائش نہیں نیز غلبۂ دین عطا کیا گیا۔

(۸) دیگر انبیاء کو وقتی دین دیئے گئے تو آپ کو دوامی دین عنایت کیا گیا۔

(۹) دیگر انبیاء کے دین میں تحریف راہ پاگئی جس سے وہ ختم ہوگئے تو آپ کے دین میں تجدید رکھ دی گئی جس سے وہ قیامت تک تازہ بتازہ ہو کر ہمیشہ محفوظ رہے گا۔

(۱۰) دیگر انبیاء نے روحانیت کے کمال کو خلوت و انقطاع کا پابند ہو کر دکھلایا تو

آپ نے اسے جلوتوں کے ہجوم جہاد، جماعت، سیاحت و سفر، شہری زندگی، معاشرت اور حکومت و سیاست کے سارے اجتماعی گوشوں میں سمو کر دکھلایا۔

(۱۱) دیگر انبیاء کی شخصیات کا قرآن حکیم میں ذکر ہے تو آپ کے ایک ایک عضو اور اور ایک ایک اداء کا پیار و محبت سے تذکرہ کیا گیا ہے۔

(۱۲) دیگر انبیاء کو انفرادی عبادتیں ملی تو آپ کو ملائکہ کی طرح صف بندی کی اجتماعی عبادت دی گئی جس سے یہ دین اجتماعی ثابت ہوا۔

(۱۳) دیگر انبیاء اور امتیں تمام کی تمام قیامت کے دن سامع ہوں گی تو آپ اولین و آخرین کے خطیب ہوں گے۔

(۱۴) دیگر انبیاء کو اللہ تعالی نے نام لے لے کر خطاب فرمایا تو آپ کو آپ کے منصبی القاب سے خطاب کر کے عزت افزائی کی گئی۔

(۱۵) دیگر انبیاء کو ان کی امتیں اور ملائکہ نام لے لیکر پکارتے تھے تو اس امت کو ادباً رسول اکرم ﷺ کا نام لیکر مخاطب بنانے سے منع کر دیا گیا۔

(۱۶) اگر حضرت یوسف علیہ السلام کو حسن کا ایک حصہ عطا کیا تو آپ کو حسن کی جامعیت عطا کی گئی جس کی حقیقت جمال ہے جو سرچشمۂ حسن اور صفت خداوندی ہے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ خواتین مصر نے یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر ہاتھ قلم کر لئے، اگر میرے محبوب ﷺ کو دیکھ لیتیں تو دلوں کے ٹکڑے کر ڈالتیں۔

(۱۷) دیگر انبیاء کو عملی معجزات دیئے گئے جو آنکھوں کو مطمئن کر سکیں تو آپ کو ایسے سینکڑوں معجزات کے ساتھ علمی معجزہ (قرآن) بھی عطا کیا گیا جس نے عقل، قلب اور ضمیر کو مطمئن کیا۔

(۱۸) دیگر انبیاء کی نمازیں مخصوص جگہوں کے ساتھ وابستہ تھیں تو آپ کی نماز کیلئے تمام زمین کو مسجد بنا دیا گیا۔

(۱۹) دیگر انبیاء کا اللہ تعالی نے محض ذکر کیا تو آپ کا ذکر اپنے نام کے ساتھ ملا کر فرمایا۔

(۲۰) دیگر انبیاء نے دشمنان حق کے الزامات کا خود دفاع کیا تو آپ کی طرف

Marfat.com

سے ایسے مواقع پر مدافعت خود اللہ تعالی نے فرمائی۔ (مزید تفصیلات کیلئے مولانا قاری محمد طیب قاسمی کی تصنیف "خاتم النبیین" ملاحظہ ہو جس میں مزید ۹۳ خصوصیات بیان کی گئی ہیں)

اگلی حدیث میں والد اور اولاد کے ساتھ تمام لوگوں کا بھی ذکر ہے کہ ان سب سے محبت پر حب رسول کو غالب کئے بغیر ایمان محض رسمی ہے

حدثنا یعقوب بن ابراهیم قال حدثنا ابن علیة عن عبد العزیز بن صهیب عن انس عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم و حدثنا آدم قال حدثنا شعبة عن قتادة عن انس قال قال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم (لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیه من والده و ولده و الناس اجمعین)

ترجمہ: انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (پورا) مومن نہیں ہوگا یہاں تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ اور اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہوجاؤں۔

فائدہ: بظاہر انسان کو اولاد سے زیادہ محبت ہوتی ہے مگر حدیث میں والد کا ذکر اس لئے مقدم ہے کہ ہر شخص کیلئے والد کا ہونا تو ضروری ہے، اولاد نہیں کہ لاولد افراد بھی ہوتے ہیں۔ مزید برآں والد سے مراد جننے والے ہیں لہذا اس میں ماں باپ دونوں شامل ہیں۔

ایمان کی چاشنی

باب حلاوة الایمان

حدثنا محمد بن المثنی قال حدثنا عبد الوهاب الثقفی

قال حدثنا ایوب، عن أبی قلابة عن انس عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال (ثلاث من کن فیه وجد حلاوة الایمان ان یکون اللّٰه و رسوله أحب الیه مما سواهما، و أن یحب المرء لایحبه الا للّٰه و أن یکره ان یعود فی الکفر کما یکره ان یقذف فی النار)

ترجمہ: انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا جس میں تین باتیں ہوں گی وہ ایمان کی چاشنی پائے گا، ایک یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت اس کو سب سے زیادہ ہو دوسرے یہ کہ فقط اللہ کے لئے کسی سے دوستی رکھے تیسرے یہ کہ دوبارہ کافر بننا اس کو اتنا ناگوار ہو جیسے آگ میں جھونکا جانا۔

توضیح: حدیث میں ایمان کو شیریں چیز سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جو دل غفلت، نفسانی خواہشات اور اس قسم کے دیگر امراض (سرمایہ پرستی، جاہ پرستی وغیرہ) سے محفوظ اور تندرست ہیں وہ ایمانی حلاوت اور روحانی لذتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں جس طرح ایک صحتمند انسان ہی عمدہ غذاؤں کے اصل ذائقے سے لذت حاصل کرتا ہے اور غیر صحتمند و مریض افراد اچھی غذاؤں کے لطف سے محروم رہتے ہیں۔ اسی طرح ایمان بھی قلب سلیم کو بہت ہی شیریں و مرغوب ہے (۶۰) حلاوت ایمان کی علامت یہ ہے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت میں تنگی کی بجائے خوشی اور انبساط محسوس کیا جائے۔

یہاں حلاوت ایمان کیلئے تین امور کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں بنیاد اللہ تعالی کی محبت ہے، بعد ازیں رسول اکرم ﷺ کی محبت جو محبت خداوندی کا نتیجہ ہے کیونکہ اللہ تعالی سے سب سے زیادہ قریب ترین اور خدائی صفات و شئون کے مظہر اتم آپ ہی ہیں، اس کے بعد اللہ اور رسول سے محبت کی ایک شاخ ان تمام نیکو کاروں سے محبت ہے جو اللہ اور رسول سے محبت رکھتے ہیں اور ایسی محبت میں رقابت نہیں ہوا کرتی۔

دوسری بات یہ ہے کہ مسلمان کسی سے محبت کرے تو اللہ ہی کیلئے کرے یعنی کسی دنیوی لالچ اور ذاتی اغراض و مقاصد کے تابع ہو کر کسی سے تعلق قائم نہ کرے کہ یہ

Marfat.com

موقع پرستی کی علامت ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ صاحب ایمان اصول فطرت سے انکار اور کفر کی زندگی (جو نظریاتی الجھاؤ اور معاشرتی فساد کی زندگی ہوتی ہے) اختیار کرنے سے اس قدر بیزار ہو جس قدر کوئی آگ میں پھینکے جانے سے دور اور متنفر ہو سکتا ہے اور وحشت کھاتا ہے۔

فائدہ: حدیث میں "عود" (لوٹنا) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کہ اُس وقت بیشتر مسلمان ایسے تھے جو شرک و کفر سے نکل کر اسلام سے مشرف ہوئے تھے اس لئے ان کیلئے اس لفظ کا استعمال برمحل اور مناسب ہے جبکہ پیدائشی مسلمانوں کے حوالے سے "عود" کا لفظ صیرورت کے معنی میں ہے یعنی ایک حالت (حالت اسلام) سے دوسری حالت (حالت کفر) میں منتقل ہونا (۶۱)

۱۷ انصار سے محبت

باب علامة الايمان حب الانصار

حدثنا ابوالوليد قال حدثنا شعبة قال: اخبرنى عبد الله بن عبدالله بن جبر قال سمعت انسا عن النبى صلى الله عليه وسلم قال (آية الايمان حب الانصار و آية النفاق بغض الانصار)

ترجمہ: عبداللہ بن جبر کہتے ہیں میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ایمان کی نشانی انصار سے محبت رکھنا ہے اور نفاق کی نشانی انصار سے بیر رکھنا ہے۔

توضیح: یہ حقیقت ہے کہ کوئی مسلمان انصاری صحابہ کی لازوال اور مثالی قربانیوں کو کبھی بھی فراموش نہیں کر سکتا کہ ان حضرات نے اس وقت دین کو قبول کر کے اس

Marfat.com

کے عملی تقاضوں کو پورا کیا جب کفر پورے جوبن پر تھا اور معاشرتی زمام کار اس کے ہاتھ میں تھی اور اس وقت پیغمبر اسلام ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کی حمایت میں سینہ سپر ہوئے جب آپ انتہائی مشکلات سے دوچار تھے اور بظاہر حالات میں کوئی بہتری بھی نظر میں نہیں آتی تھی، اس لئے آپ کا یہ فرمان بجا ہے کہ انصار سے بحیثیت انصار دین (دین کے مددگار) محبت، ایمان کی علامت اور ان سے بغض، نفاق کی علامت ہے یہاں یہ امر ملحوظ رہے کہ جن صحابہ کرام کا بعض انصاری صحابہ سے جو جنگ و جدل میں آمنا سامنا ہوا ہے وہ باہمی اختلاف رائے پر مبنی تھا جب کہ وہ ان سے دین کے معین و مددگار ہونے کے ناطے محبت ہی رکھتے تھے(۶۲)

باب

امام بخاری کا یہ بھی طرز تالیف ہے کہ کبھی وہ بلاعنوان (ترجمہ) کے باب قائم کرتے ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ترجمہ یعنی عنوان تو ذکر کرتے ہیں لیکن اس ضمن میں کوئی حدیث بیان نہیں کرتے، صحیح البخاری میں یہ پہلا مقام ہے جہاں انہوں نے بلاترجمہ (عنوان) باب قائم کیا ہے، اس سلسلے میں امام بخاری کا منشاء کیا ہے؟

شارحین نے اس سلسلے میں دو وجوہات کی نشاندہی کی ہے ایک یہ کہ زیر بحث باب گزشتہ ابواب کا تتمہ اور تکملہ ہے کہ گزشتہ باب میں انصار سے محبت کو علامت ایمان بتایا گیا اب انصار کے لقب کی وجہ تسمیہ کی وضاحت ہے کہ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت عقبہ کرکے آپ کی اور دین اسلام کی نصرت وتائید کا عہدوپیمان کیا تھا(۶۳)

دوسری وجہ یہ کہ امام بخاری اپنے ذہن میں مستقل ترجمہ (عنوان) ہوتے ہوئے اسے قصداً ترک کردیتے ہیں تاکہ قارئین حدیث اپنی ذہنی کاوش کے نتیجہ میں از خود کوئی

Marfat.com

عنوان قائم کریں یوں وہ مطالعۂ حدیث میں اپنے قارئین کو شریک کرنا چاہتے ہیں چنانچہ اس روشنی میں کہا گیا ہے کہ گزشتہ ابواب میں مرجئہ یعنی عمل صالح کو غیر مفید قرار دینے والوں کی تردید تھی، جبکہ یہاں معتزلہ و خوارج یعنی گناہ کے مرتکب افراد کو کافر قرار دینے والوں کے موقف کی نفی ہے تاکہ افراط و تفریط سے بالاتر ہو کر مسلک اعتدال کی وضاحت کی جاسکے۔(۶۴)

حدثنا ابواليمان قال: اخبرنا شعيب عن الزهرى قال اخبرنى ابوادريس عائذ الله بن عبد الله ان عبادة بن الصامت رضى الله عنه و كان شهد بدرا و هو احد النقباء ليلة العقبة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال و حوله عصابة من اصحابه (بايعونى على ان لاتشركوا بالله شيئا، ولاتسرقوا، و لاتزنوا و لاتقتلوا اولادكم، ولاتأتوا ببهتان تفترونه بين ايديكم و ارجلكم، و لاتعصوا فى معروف، فمن وفى منكم فاجره على الله و من أصاب من ذلك شيئا فعوقب فى الدنيا فهو كفارة له و من أصاب من ذلك شيئا ثم ستره الله فهو الى الله ان شاء عفاعنه، و ان شاء عاقبه فبايعناه على ذلك)

ترجمہ: ابوادریس کہتے ہیں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا اور یہ عبادہ وہ تھے جو بدر کی لڑائی میں شریک تھے اور عقبہ کی رات میں وہ بھی ایک نقیب تھے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا صحابہؓ کی ایک جماعت آپ کے گرداگرد تھی تم مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ اللہ کے سوا کسی کو شریک نہ بناؤ گے اور چوری نہ کروگے اور زنا نہ کروگے اور اپنی اولاد کو قتل نہ کروگے اور اپنے ہاتھ پاؤں کے سامنے (جان بوجھ کر) کوئی بہتان بنا کر نہیں لاؤ گے اور نیک کاموں میں نافرمانی نہ کروگے پھر جو کوئی تم میں یہ اقرار پورا کرے اس کا ثواب اللہ پر ہے اور جو کوئی ان (گناہوں) میں سے کچھ کر بیٹھے اور اس کو دنیا میں اسکی سزا مل جائے تو

وہ اس کا کفارہ ہوگا۔ اور جو کوئی ان (گناہوں) میں سے کچھ کر بیٹھے پھر اللہ (دنیا میں) اس کو چھپائے رکھے تو وہ اللہ کے حوالے ہے اگر چاہے (آخرت میں بھی) اس کو معاف کردے اور اگر چاہے عذاب کرے پھر ہم نے ان باتوں پر آپ سے بیعت کرلی۔

توضیح: ہجرت سے قبل رسول اکرم ﷺ مکہ میں قیام فرما تھے۔ سن ۱۱ نبوی میں موسم حج میں یثرب کے قبیلہ خزرج کے کچھ افراد آپ کی دعوت پر اسلام لے آئے، بعد ازاں واپس جا کر انہوں جب آپ کی دعوت اسلام کا ذکر کیا تو اس کا حوصلہ افزا رد عمل ہوا۔ چنانچہ اگلے موسم حج میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سمیت بارہ افراد آئے، آپ نے ان سے عقبہ یعنی پہاڑ کی ایک گھاٹی میں رات کے وقت بیعت لی، یہ بیعت عقبہ اولی کہلاتی ہے، اگلے سال یثرب کے ستر افراد آئے تو آپ نے حضرت عباس کے ہمراہ جا کر ان کو دعوت اسلام دی، انہوں نے کہا ہاتھ بڑھائیے تاکہ ہم بیعت کریں۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے میں سے بارہ نمائندے مقرر کرو چنانچہ خزرج میں اسعد بن زرارہ، عوف بن حارث، ان کے بھائی، ذکوان بن عبد قیس، رافع بن مالک، عبادہ بن صامت، عباس بن عبادہ، یزید بن ثعلبہ، عقبہ بن عامر، قطبہ بن عامر اور اوس میں سے ابوالہیثم بن تیہان اور عویم بن ساعدہ (۶۵) نے علی وجہ البصیرۃ آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور یہ بیعت عقبہ ثانیہ کہلاتی ہے۔

بیعت کا شرعی مفہوم یہ ہے کہ ایسی شخصیت کے ہاتھ پر جو شریعت اسلامی کی پیروکار ہو (صاحب شریعت ہو یا اس سے تاریخی تسلسل کے ساتھ مربوط ہو) کسی دینی حکم کے سرانجام دینے کا عہدوپیمان کیا جائے۔ احادیث سے ثابت ہے کہ صحابہ نے رسول اکرم ﷺ کے مبارک ہاتھوں پر مختلف امور خیر انجام دینے کی بیعت کی مثلاً میدانِ جہاد میں ثابت قدم رہنے پر، ارکان اسلام کی پابندی پر، ترک خواہشات و منکرات پر، ہجرت پر اور نیکی کے دیگر کاموں پر۔ حدیبیہ میں اس پر بیعت لی گئی تھی کہ آخری دم تک جہاد کریں گے، اور اس سے فرار اختیار نہیں کریں گے، انصار مدینہ سے آپ نے اس بات پر بیعت لی تھی کہ حق بات کہنے میں کبھی کس کی پرواہ نہیں کریں گے،

حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر بیعت لی گئی تھی۔

مشائخ طریقت کی بیعت بھی اسی ذیل میں آتی ہے بشرطیکہ شریعت کے مطابق ہو اور یہ بیعت احسان و تصوف کہلاتی ہے اور اس کا ذکر حدیث جبریل امین میں آرہا ہے۔

حدیث میں قتل اولاد سے بھی منع کیا گیا ہے۔ عربوں میں قتل اولاد کے تین اسباب تھے، بعض تو لڑکیوں کو اس لئے قتل کردیتے تھے کہ ان کی وجہ سے کوئی ان کا داماد بنے گا، جو ان کے نزدیک باعث عار تھا، بعض تنگدستی کی وجہ سے اولاد کو قتل کردیا کرتے تھے اور ان کو یہ فکر ستاتی تھی کہ خود کھانے کو نہیں ملتا تو اولاد کو کیا کھلائیں گے اور بعض اولاد کو محض تنگدستی کے اندیشے اور خوف سے قتل کردیتے تھے کہ مستقبل میں ان کی وجہ سے اخراجات بڑھ جائیں گے۔

اولاد کو قتل کرنے کے جرم میں متعلقہ افراد کے علاوہ وہ نظام اور معاشرہ بھی شریک ہوتا ہے جو ان کے قتل کے روکنے کے اقدامات نہیں کرتا اور انسانی جانوں کے بقاء کیلئے سازگار حالات پیدا نہیں کرتا۔

علاوہ ازیں اولاد کے جسمانی قتل کے ساتھ ساتھ ان کا روحانی قتل بھی جرم ہے کہ ان کو معقول تعلیم و تربیت سے محروم رکھ کر ان کی صلاحیتوں کو ضائع اور ان کا مستقبل تباہ کردیا جائے۔

بعد ازیں رسول اکرم ﷺ نے بہتان تراشی کی ممانعت فرمائی کہ بہتان اس جھوٹ کو کہا جاتا ہے جس کی کوئی اصلیت نہ ہو، محض ہاتھ پاؤں کے سامنے ایک چیز گھڑلی گئی ہو، لغت عرب میں بہتان کا معنی حیران ہونا یعنی ایسا اتہام کہ لوگ سن کر ششدر رہ جائیں(٦٦) کیونکہ اسکی کوئی بنیاد نہیں ہوتی۔

آپ کی آخری ہدایت یہ تھی کہ کسی معروف یعنی ایسی معقول بات جس کی حسن و خوبی عقل سلیم، فطرت سلیمہ اور شریعت کی نظر میں جانی پہچانی ہو، میں نافرمانی سے اجتناب کیا جائے، یہاں اطاعت کیلئے "معروف" کی شرط ان افراد کے حوالے سے ہے جو معصوم نہیں ہیں جبکہ رسول اکرم ﷺ کے کسی حکم کے خلاف معروف ہونے کا وہم

بھی نہیں کیا جاسکتا۔

اس کے بعد رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو ان ہدایات کے عہدوپیمان کو پورا کرے گا اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے اور یہ حقیقت ہے کہ جس امر کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ خود لے، اس کے ایفاء میں شک نہیں کیاجاسکتا، اور جو کوئی ان بری باتوں میں سے کسی میں مبتلا ہوجائے تو پھر اگر اسے دنیا میں سزا دے دی گئی تو یہ سزا اس کیلئے کفارہ ہوجائے گی اور اگر دنیا میں سزا کا سامنا ہوا تو پھر اللہ کے اختیار میں ہے کہ وہ معاف کردے یا سزا دے۔

فائدہ: یہاں اس سلسلے میں علماء وفقہاء کا ایک اختلاف نقل کیا گیا ہے کسی گناہ پر شرعی سزا کے اجراء سے حاصل کیا ہے؟ شافعی مسلک کے علماء کا کہنا ہے کہ حدود یعنی شرعی سزائیں مجرم کیلئے کفارہ ہیں کہ اسکو گناہ سے پاک کردیتی ہیں جبکہ حنفی فقہ میں حدود، زواجر ہیں یعنی وہ معاشرتی جرائم کے خاتمہ کیلئے موثر ہیں کہ عوام الناس کو ان سے عبرت حاصل ہوتی ہے تاہم حتمی طور پر حدود کفارہ بھی بن سکتی ہیں کیونکہ مسلمان کیلئے ادنی سے پریشانی اور مصیبت بھی گناہ کی معافی کا سبب بنتی ہے۔ لیکن یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ حدود کے اجراء کو مکمل طور پر مصائب نہیں کہا جاسکتا کیونکہ حدود کا نفاذ متعین جرائم پر ہے جبکہ مصائب کی آمد انسانی علم کے مطابق کسی متعین گناہ پر نہیں ہوتی(٦٧) اجراء حدود کے بعد اگر اس کی زندگی میں مثبت تبدیلی آگئی تو اس صورت میں حدود کفارہ بھی بن جائیں گی اور اگر جرائم کی زندگی ہی باقی رہی تو پھر حدود کفارہ نہیں ہوں گے(٦٨)

فتنوں سے فرار

باب من الدين الفرار من الفتن

گزشتہ ابواب میں ایمان سے متعلقہ جو امور مذکور ہوئے ہیں ان میں لائق تعمیل امور یعنی اعمال صالحہ بجالانے کا ذکر تھا، اب اس باب میں قابل ترک امور کا ایمان سے

تعلق بیان کیا گیا ہے، مثلاً دین کی حفاظت کی خاطر ترک وطن کرنا۔

امام بخاری کے ہاں یہاں بھی اس نظریئے کی تردید مقصود ہے کہ ایمان پر کوئی معصیت اثر انداز نہیں ہوتی، کہ اگر یہ خیال درست ہوتا تو فتنوں سے بچاؤ کے عمل کو دین سے متعلق قرار نہ دیا جاتا۔

حدثنا عبد الله بن مسلمه عن مالک عن عبد الرحمن بن عبد الله بن عبد الرحن ابن أبی صعصعة عن أبيه، عن أبی سعيد الخدری أنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم (يوشک أن يكون خير مال المسلم غنم يتبع بها شعف الجبال ومواقع القطر يفر بدينه من الفتن)

ترجمہ: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا وہ زمانہ قریب ہے جب مسلمان کا بہتر مال بکریاں ہوں گی جن کے پیچھے پیچھے پہاڑ کی چوٹیوں اور بارش کے مقاموں پر وہ اپنا دین فتنوں سے بچائے ہوئے بھاگتا پھرے گا۔

فائدہ: حدیث مذکور میں "غنم" کا لفظ استعمال ہوا ہے گو اس کے لغوی معنی بکری کے ہیں لیکن یہاں اس سے مقصود مختصر اور مفید سازوسامان ہے کیونکہ بکری ایک مسکین اور تابعدار جانور ہے، اس کے دودھ میں غذائیت اور سیرابی دونوں عنصر ہیں، اس کے استعمال سے طبیعت بوجھل نہیں ہوتی نیز بکری کی نسل میں بھی تیزی سے اضافہ ہوتا ہے اور یہ اپنا پیٹ چل پھر کر ہی بھر لیتی ہے پھر اس پر مستزاد یہ کہ اسے آسانی سے پہاڑ کی بلندیوں تک بھی لیجایا جاسکتا ہے(۶۹)

توضیح: حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ایسا دور آئے گا جب عام معاشرتی زندگی انسان کے لیے نقصان دہ ہوجائے گی، ایسے میں ایمان کی بقاء کیلئے تنہائی مفید اور لوگوں سے میل جول مضر ہوگا تاہم صاحب استقامت اور معاشرتی زندگی میں تبدیلی اور اصلاح کے کام کی صلاحیت رکھنے والوں کی ذمہ داری یہی ہوگی کہ وہ خلوت کی بجائے سماجی

زندگی میں اپنا موثر کردار ادا کریں۔(۷۰) عمومی حالات میں بہر صورت گوشہ نشینی اور بدوی زندگی کی نسبت معاشرے میں رہنے کو ترجیح حاصل ہے کہ انسان سوسائٹی میں رہ کر ہی اپنے ہم جنس افراد سے استفادہ کرسکتا ہے، معاشرے کا مفید رکن بن سکتا ہے اور انفرادی و اجتماعی سطح پر دنیوی و اخروی ترقی کیلئے اپنا کردار ادا کرسکتا ہے، واضح رہے کہ اجتماعیت کی اہمیت کے پیش نظر ہی نماز جیسی عبادت تک میں جماعت کے قیام کی بھرپور تاکید کی گئی ہے گو اللہ کی عبادت کا بنیادی تقاضہ تو یہی ہے کہ اسے تنہائی و خلوت میں انجام دیا جائے۔

حدیث میں مذکور فتنوں سے فرار کا مفہوم یہی ہے کہ جب متمدن زندگی دین کے لیے نقصان دہ بن جائے اور اس کے تدارک کی کوئی صورت نہ بن پڑے تو حفاظت دین کی خاطر اسباب راحت کو تج دینا ہی بہتر ہے کیونکہ صرف دین ہی کی نعمت کی خاطر آبادیوں پر صحراؤں اور معاشرتی زندگی پر خلوت نشینی کو ترجیح دی جاسکتی ہے، لیکن یہ امر بھی نظروں سے اوجھل نہیں ہونا چاہیے کہ بلاضرورت شدیدہ دنیوی امور اور سماجی معاملات سے پہلو تہی اور فرار قطعاً جائز اور پسندیدہ نہیں بلکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ "جس نے آبادی سے کٹ کر جنگل میں سکونت اختیار کرلی اس نے ظلم کیا" اپنے ساتھ بھی اور معاشرے کے ساتھ بھی کہ دیگر افراد انسانیت اسکی خداداد صلاحیتوں کے استفادہ سے قاصر رہے(۷۱)

سب سے بڑے عارف باللہ

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم (انا اعلمکم باللہ) وان المعرفۃ فعل القلب لقول اللہ تعالی و لکن یواخذکم بماکسبت قلوبکم

(رسول اکرم ﷺ کے اس ارشاد کا تذکرہ کہ میں تم میں سب سے زیادہ اللہ کو

Marfat.com

جاننے والا ہوں اور اس کا کہ معرفت قلب کا فعل ہے اس لیے کہ اللہ تعالی نے فرمایا "اور لیکن وہ تمہارا مواخذہ کرتا ہے اس پر جو تمہارے دلوں نے کمایا)

امام بخاری اس ترجمہ (عنوان) سے ایمان میں کمی و بیشی کا نظریہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے یہاں اسم تفضیل کا صیغہ "اعلم" استعمال کیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ نفس علم میں تو آپ اور آپ کے مخاطب صحابہ کرام شریک ہیں لیکن آپ میں علم کا یہ وصف زیادہ ہے، علم سے مقصد معرفت ہے جو ایمان کی بنیاد ہے تو علم و معرفت میں کمی و بیشی سے ایمان میں بھی کمی و بیشی ثابت ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں امام بخاری محض اقرار کو ایمان قرار دینے کے نظریے کی بھی تردید کرنا چاہتے ہیں کہ ایمان کیلئے معرفت خداوندی ضروری ہے اور معرفت خداوندی وہی معتبر ہے جو دل کے اختیار سے ہو کیونکہ اضطراری معرفت تو کفار کو بھی حاصل ہو جاتی ہے۔

علم و معرفت کے قلبی فعل ہونے کی تائید سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۲۵ سے بھی ہوتی ہے جس میں "کسب" کے فعل کو قلب کی طرف منسوب کیا گیا ہے جسکا تعلق انسان کے ارادے سے ہے مزید برآں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے "کسب" کی تفسیر علم سے کی ہے۔

حدثنا محمد بن سلام قال أخبرنا عبدة، عن هشام عن أبيه، عن عائشة قالت: (كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا أمرهم أمرهم من الاعمال بمايطيقون، قالوا: انا لسنا كهيئتك يا رسول الله، ان الله قدغفرلك ما تقدم من ذنبك و ماتأخر، فيغضب حتى يعرف الغضب فى وجهه ثم يقول: ان أتقاكم و أعلمكم بالله أنا)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب صحابہ کو کوئی حکم دیتے تو انہی کاموں کا حکم دیتے جن کو وہ کر سکتے انہوں (صحابہ) نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپ کی طرح نہیں آپ کے تو اللہ نے اگلے اور پچھلے سب غیر شایان شان امور معاف کر دیئے ہیں یہ سن کر آپ ﷺ اتنا غصے ہوئے کہ آپ

Marfat.com

کے (مبارک) چہرے پر غصہ پہچانا جانے لگا پھر آپ ﷺ فرماتے (کیا تم کو معلوم نہیں) تم سب میں زیادہ پرہیزگار اور اللہ کو زیادہ جاننے والا میں ہوں۔

توضیح: انبیاء کرام علیہم السلام کی یہ سیرت رہی ہے کہ محنت و مشقت اور ہر قسم کی صعوبت خود برداشت کرتے تھے جبکہ اپنے ساتھیوں کیلئے سہولت کا خیال رکھتے تھے چنانچہ رسول اکرم ﷺ کی عادت مبارکہ بھی یہی رہی کہ آپ اپنے صحابہ کرام کو وہی اعمال بجالانے کیلئے ارشاد فرماتے جو ان کی عام استطاعت سے باہر نہ ہوں اور جنکو وہ آخر دم تک نبھا سکیں، چنانچہ جو دین آپ لائے ہیں وہ بھی عمل کے نکتہ نگاہ سے سہل اور آسان ہے معاشرے کے ذمہ دار حضرات کو آپ یہی ہدایات دیا کرتے تھے کہ وہ آسانی اور سہولت پیدا کریں، سختی اور تنگی پیدا کرنے سے اجتناب برتیں اور آپ کی حقیقی کوشش اور آرزو یہی رہی کہ اللہ تعالی کے بندے سچی بھلائی سے ہمکنار ہوں۔

ایک مرتبہ بعض صحابہ کرامؓ نے یہ خیال ظاہر کیا کہ رسول اکرم ﷺ تو معصوم ہیں یعنی آپ سے گناہ سرزد ہونے کی اللہ کی طرف سے حفاظت کی گئی ہے، پھر آپ سے صادر آئندہ اور گزشتہ کے تمام خلافِ اولی امور تک پر بازپرس نہ ہونے کا وعدۂ خداوندی موجود ہے، اس لئے ہمیں آپ سے زیادہ نیک اعمال انجام دینے چاہئیں، اس پر آپ کے چہرے پر غضب اور غصے کے آثار ظاہر ہوئے کیونکہ ان حضرات نے دین فطرت کے تقاضوں کے برعکس مشکل احکام بجالانے کی غیر موزوں خواہش ظاہر کی تھی (۷۲) نیز فرمایا کہ "میں تم میں سب سے زیادہ اللہ کی معرفت رکھنے والا اور اس سے ڈرنے والا ہوں" اس لئے عبادت کی کثرت کا اہتمام آپ کو ہونا چاہیے۔

مندرجہ بالا حدیث کی وضاحت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے، وہ کہتے ہیں کہ تین اصحاب رسول اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کے گھروں کی جانب آئے تاکہ آپ کی عبادت کی تفصیلات دریافت کرسکیں، جب انہیں اس بابت آگاہ کیا گیا تو انہوں نے اسے کم جانا اور کہنے لگے کہاں ہم اور کہاں رسول خدا ﷺ، آپ کے تو تمام اگلے پچھلے خلاف اولی اعمال معاف کئے جاچکے ہیں پھر ان میں سے ایک صاحب کہنے لگے جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں ہمیشہ رات بھر نماز ادا کروں گا، دوسرے صاحب کہنے لگے میں ہمیشہ روزے رکھوں گا اور کبھی روزہ ترک نہیں کروں

Marfat.com

گا، تیسرے صاحب کہنے لگے میں عورتوں سے دور رہوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا، رسول اکرم ﷺ یہ اطلاع پا کر ان کی طرف تشریف لائے اور فرمایا تم نے ایسی ایسی گفتگو کی ہے۔ آگاہ رہو بخدا میں تم سب سے زیادہ اللہ کا ڈر اور اس کا لحاظ رکھنے والا ہوں، لیکن اس کے باوصف میں روزہ رکھتا ہوں اور روزہ ترک بھی کرتا ہوں، (رات کو) نماز ادا کرتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں، اور میں نے خواتین سے نکاح بھی کیا ہوا ہے، لہذا جس نے میرے طریقہ عمل سے روگردانی کی تو اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں (۷۳)

اس سے اس حقیقت کی نشاندہی ہوتی کہ معاشرتی فرائض اور ذمہ داریوں سے فرار خواہ نیک جذبے کے تحت ہی کیوں نہ ہو، دین کی نظر میں ناپسندیدہ رویہ ہے اور اگر معاشرتی معاملات کو اسلام کے فطری تقاضوں سے ہم آہنگ کرلیا جائے تو زندگی کے دنیوی پہلو بھی عبادت بن سکتے ہیں۔

الغرض اس حدیث میں اس تاثر کی نفی ہے کثرت سے عبادات بجالانا اور مشکل اعمال سے عہدہ برآ ہونا ہی زیادہ معرفت خداوندی اور تقوی کی علامت ہے نیز اس امر کی تعلیم ہے کہ انسان کو اپنی جسمانی ساخت اور معاشرتی فرائض کو مدنظر رکھ کر عبادت خداوندی کے اعمال انجام دینے چاہئیں، کیونکہ دین، اعتدال ہی کا علمبردار ہے اور جہاں کہیں توازن اور اعتدال قائم نہیں رہے گا وہاں دین کے منشاء سے انحراف رو بہ عمل ہوگا چونکہ رسول اکرم ﷺ معرفت خداوندی اور تقوی میں سب سے بڑھ کر تھے، اسی لئے آپ کی زندگی میں مکمل توازن اور حسین اعتدال موجود تھا۔

کفر میں پلٹ جانے سے نفرت

باب من کرہ ان یعود فی الکفر کمایکرہ ان یلقی فی النار من الایمان

(ایمان کا حصہ ہے کہ کوئی کفر میں پلٹ جانے کو اسی طرح ناگوار جانے جیسا کہ آگ

Marfat.com

میں جھونکا جانا ناگوار ہوتا ہے)

حسب سابق امام بخاری کا مقصود اس موقف کی تردید ہے کہ "ایمان کے ساتھ نیک عمل بجالانا ضروری نہیں اور نہ ہی کوئی معصیت ایمان کے لیے نقصان دہ ہے" اور وہ یہ واضح کر رہے ہیں کہ ایمان کے ساتھ حلاوتِ ایمان بھی مطلوب ہے جو اعمال صالحہ کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتی ہے اور جس نسبت سے اعمال میں تفاوت ہوگا، اسی نسبت سے مراتب حلاوت میں بھی تفاوت ہوگا بلکہ ترک اعمال سے تو ایمان بے لطف اور بے جان ہو کر رہ جاتا ہے۔ لہذا اس میں اعمالِ صالحہ سے لاپرواہی برتنے والوں اور اس سے بڑھ کر عدم افادیت کا دعوی کرنے والوں کے غلط طرز فکر و عمل پر تنبیہ بھی ہے۔

حدثنا سليمان بن حرب قال: حدثنا شعبة، عن قتادة، عن أنس رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال (ثلاث من كن فيه وجد حلاوة الايمان: من كان الله و رسوله احب اليه مما سواهما، و من أحب عبدا لايحبه الا لله، و من يكره أن يعود فى الكفر بعد اذ انقذه الله كما يكره أن يلقى فى النار)

ترجمہ: انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جس میں تین باتیں ہوں گی وہ ایمان کی چاشنی پائے گا ایک تو اللہ اور اس کے رسول کی محبت اس کو سب سے زیادہ ہو دوسرے کسی بندے سے خالص اللہ کے لیے دوستی رکھے، تیسرے پھر کفر میں جانا جب اللہ نے اس کو کفر سے چھڑادیا اتنا ناگوار سمجھے جیسے آگ میں ڈالا جانا۔

اعمال میں اہل ایمان کا ایک دوسرے سے بڑھنا
باب تفاضل اهل الایمان فی الاعمال

امام بخاری کا موقف یہ ہے کہ اعمال صالحہ میں تفاوت کی وجہ سے اہل ایمان کے درجات میں تفاوت دنیا و آخرت دونوں کے حوالے سے ہے کہ دنیا میں کوئی اعمال بجالاتا ہے اور کوئی نہیں جبکہ آخرت میں کچھ مسلمان اپنی بداعمالیوں کے سبب جہنم میں جائیں گے مگر ان کے دل میں موجود ایمان کا تقاضہ چونکہ جنت ہے اس لئے اس تقاضے کی تکمیل انبیاء کرام علیہم السلام کی شفاعت سے ہوگی تاہم شفاعت کے اثرات بھی بقدر اعمال ظاہر ہوں گے،

حدثنا اسماعيل قال: حدثنى مالک، عن عمرو بن يحيى المازنى، عن أبيه، عن أبى سعيد الخدرى رضى الله عنه، عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: (يدخل أهل الجنة الجنة و اهل النار النار ثم يقول الله تعالى أخرجوا من كان فى قلبه مثقال حبة من خردل من ايمان، فيخرجون منها قداسودوا فيلقون فى نهر الحيا أو الحياة، شک مالک، فينبتون كما تنبت الحبة فى جانب السيل، ألم تر أنها تخرج صفراء ملتوية؟ قال وهيب: حدثنا عمرو: الحياة، و قال: خردل من خير)

ترجمہ: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا (حساب کتاب کے بعد) بہشت والے بہشت میں اور دوزخ والے دوزخ میں داخل ہوجائیں گے پھر اللہ تعالی فرمائے گا جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکال لو پھر ایسے لوگ دوزخ سے نکالے جائیں گے وہ (جل کر) کالے ہوگئے ہوں گے پھر برسات کی نہر یا زندگی کی نہر میں

Marfat.com

ڈالے جائیں گے (امام مالک کو شک ہے کہ لفظ نہر کا ہے یا برسات کا) وہ اس طرح (نئے سرے سے) اگ آئیں گے جیسے دانہ ندی کے کنارے اگ آتا ہے کیا تم نہیں دیکھتے کیسے زرد زرد لپٹا ہوا نکلتا ہے وہیب نے کہا مجھ سے عمرو بن یحیی نے یہ حدیث بیان کی اس میں زندگی کی نہر کہی اور ایمان کے بدل خیر کا لفظ کہا۔

توضیح: حدیث میں مذکور یہ امر کہ اہل ایمان کی ایک جماعت معصیت شعار ہونے کی وجہ سے جہنم میں جائے گی، اعمال صالحہ کو غیر مفید قرار دینے کے "ارجائی" نظریے کی تردید کرتا ہے نیز یہ بھی واضح ہے کہ مسلمان گناہ گار ہمیشہ کیلئے جہنم میں نہیں رہے گا جس سے "خارجی" نظریہ اور "اعتزالی" موقف کی کمزوری ظاہر ہوتی ہے۔

حدیث کے مطابق گنہگاروں کو جہنم سے نکال کر فوراً ہی جنت میں داخل نہیں کیا جائے گا بلکہ انہیں جنت کے دروازے پر الحیاۃ نامی نہر میں ڈالا جائے گا تاکہ انمیں تروتازگی آجائے اور قیام جنت کی صلاحیت پیدا ہوجائے چنانچہ ان کی کیفیت ایسی ہوگی جیسے دانہ ندی کے کنارے زرد زرد لپٹا ہوا اگ آتا ہے۔

حدثنا محمد بن عبيد الله قال: حدثنا ابراهيم بن سعد، عن صالح، عن ابن شهاب، عن أبى أمامة بن سهل أنه سمع أباسعيد الخدرى يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم (بينا أنا نائم رأيت الناس يعرضون على و عليهم قمص منها ما يبلغ الثدى و منها ما دون ذلک، و عرض على عمر بن الخطاب و عليه قميص يجره، قالوا فما أولت ذلک يا رسول الله؟ قال الدين)

ترجمہ: ابوامامہ بن سہل بن حنیف نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے سنا وہ کہتے تھے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ایک مرتبہ میں سورہا تھا میں نے (خواب میں) لوگوں کو دیکھا وہ میرے سامنے لائے جاتے ہیں اور وہ کرتے پہنے ہوئے ہیں بعضوں کے کرتے چھاتیوں تک ہیں اور بعضوں کے اس سے بھی کم، اور عمر بن خطاب میرے سامنے لائے گئے وہ ایسا کرتہ پہنے ہوئے ہیں جس کو گھسیٹ رہے

Marfat.com

ہیں (اتنا نیچا ہے) صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ اس کی کیا تعبیر دیتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا دین۔

توضیح: اس حدیث سے خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دین کے کامل اور قوی تر ہونے کا علم ہوتا ہے اور یہ واقعہ ہے کہ ان کے دور میں نہ صرف کثرت سے فتوحات اور دنیوی فوائد ظاہر ہوئے بلکہ ان کے دور میں ہی قیصر و کسری کے نظاموں کا خاتمہ بھی ہوا جو رسول اکرم ﷺ کے مقاصد بعثت میں شامل تھا۔

قیصر و کسری کے نظاموں کے خاتمے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ ان کی بنیاد عیاشی اور عوام کے استحصال پر تھی اور وہاں بادشاہوں اور ان کے خوشامدی حلقوں کا کام یہ رہ گیا تھا کہ وہ عوام کی خون پسینہ کی کمائی پر عیش کریں امام شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں کہ ایران و روم کے شہنشاہ اس قدر تعیش میں مبتلا ہوگئے تھے کہ اگر ان کا کوئی درباری لاکھ روپے سے کم قیمت کی ٹوپی یا کمر بند پہنتا تو اسے ذلیل سمجھا جاتا تھا (۷۴)

مشہور کتاب کلیلہ و دمنہ کے مصنف ایرانی حکیم برزویہ نے فارس اور روم کے نظاموں کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے کو لوگوں نے صداقت سے ہاتھ اٹھالیا ہے، جو چیز مفید ہے وہ موجود نہیں اور جو موجود ہے وہ مضر ہے، جو چیز اچھی ہے وہ مرجھائی ہوئی ہے اور جو بری ہے وہ سبز ہے، دروغ کو فروغ ہے، اور نیکی بے رونق ہے، علم پستی کے درجہ میں ہے اور بے عقلی کا درجہ بلند ہے، بدی کا بول بالا ہے اور شرافت نفسی پامال ہے، محبت متروک ہے اور نفرت مقبول ہے، فیض و کرم کا دروازہ نیکوں پر بند ہے اور شریروں پر کھلا ہے، حکام کا فرض صرف عیاشی کرنا اور قانون کو توڑنا ہے، مظلوم اپنی ذلت پر قانع ہے اور ظالم کو اپنے ظلم پر فخر ہے، حرص اپنا منہ کھولے ہوئے ہے اور دور و نزدیک کی ہر چیز کو نگل رہی ہے، تسلط لائقوں سے نالائقوں کی طرف منتقل ہوگیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا مسرت کے نشے میں یہ کہہ رہی ہے کہ میں نے نیکی کو مقفل اور بدی کو رہا کردیا ہے" (۷۵)

مزید برآں قیصر و کسری کا نظام محض ایران و روم پر ہی مسلط نہیں تھا بلکہ ان

کی حیثیت عالمی نظاموں کی تھی۔ عراق، یمن، خراسان اور ان کے متصل ممالک کسری کے زیر اقتدار تھے، ماوراء النہر (بخارا، سمرقند، تاشقند وغیرہ) اور ہندوستان کے سلاطین اور حکمران بھی کسری کے باجگزار تھے، ہر سال ان ممالک سے لگان کا ایک مقرر حصہ کسری کی طرف سے وصول کیا جاتا تھا، مصر، مغرب اور افریقہ کے سلاطین قیصر روم کے تابع تھے کسری اور قیصر دونوں شہنشاہوں کا نظام سرمایہ دارانہ (استحصالی) نظام تھا اور ان دونوں فرمانرواؤں کو شکست دیکر ان کے ممالک پر قبضہ کرنا روئے زمین پر قبضہ کرنے کے مترادف تھا(۷۶)

حیا اور ایمان
باب الحیاء من الایمان

امام بخاری حسب معمول یہ ثابت کررہے ہیں کہ اعمال ایمان کا جزو ہیں خواہ یہ قلب کے اعمال ہوں یا اعضاء کے، اور ان اعمال میں سے ایک حیا بھی ہے۔

حدثنا عبد اللّٰہ بن یوسف قال: اخبرنا مالک بن انس عن ابن شہاب عن سالم بن عبد اللّٰہ عن أبیہ (ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مر علی رجل من الانصار و ھو یعظ اخاہ فی الحیاء، فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: دعہ فان الحیاء من الایمان)

ترجمہ: سالم بن عبداللہ اپنے والد (عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں آنحضرت ﷺ ایک انصاری شخص کے پاس سے گذرے اور وہ حیا کے بارے میں اپنے بھائی کو سمجھا رہا تھا (اتنی شرم کیوں کرتا ہے) آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا جانے دو کیونکہ شرم تو ایمان میں (داخل) ہے۔

Marfat.com

توضیح: رسول اکرم ﷺ سے حیا کی اہمیت کے بارے میں ایک اور ارشاد منقول ہے کہ گزشتہ نبوتوں کے ورثہ کلام میں ملنے والی باتوں میں سے ایک بات یہ ہے کہ "جب تم میں حیا نہ رہے تو جو چاہے کرو" (۷۷) اور حقیقت یہی ہے کہ جس معاشرے میں لوگوں کے مابین ایک دوسرے کے حقوق کی پاسداری کا ٹھوس رویہ موجود ہو وہ باحیا معاشرہ تصور ہوتا ہے اور جہاں حقوق غصب کرنے، دھوکہ دہی اور خیانت کی ریت ہوگی وہ بے حیائی شمار ہوگی۔

حیادار معاشرہ میں اخوت و مساوات پر مبنی متوازن رویے فروغ پاتے ہیں اور حقوق کی باہمی کشاکش کی بجائے ایثار و محبت کے جذبات پروان چڑھتے ہیں۔ لیکن جب معاشرے سے حیاء کا عنصر غائب ہوجائے تو اس صورت میں فساد و انتشار کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے، اجتماعیت کی جگہ انفرادیت اور خودغرضی لے لیتی ہے اور ہر شخص خودنمائی کے منفی جذبے کے تحت انسانی اقدار کو پامال کرنے میں عار محسوس نہیں کرتا اور یوں نظریاتی انتشار، معاشی استحصال، سیاسی جبر و استبداد اور معاشرتی بے راہروی جیسے ناسور جنم لیتے ہیں، اسی لئے جامع ترمذی میں مروی حدیث کے مطابق، شرک، سود خوری، اور بدکاری سے پرہیز کو حیا قرار دیا گیا ہے (۷۸)

اسی طرح ایک اور حدیث نبوی میں حیا کے مفہوم کی جامعیت کو اس انداز سے اجاگر کیا گیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا: اللہ سے حیاء کرو جیسا کہ اس کا حق ہے، صحابہؓ نے جواب عرض کیا: اے اللہ کے نبی! الحمد للہ ہم اللہ سے حیا کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: یہ وہ حیاء نہیں ہے بلکہ جو شخص اللہ سے حیا کرے جیسا کہ اس کا حق ہے تو اپنے سر کی اور ان خیالات و عقائد کی جو سر میں ہیں حفاظت کرے اور پیٹ اور ان چیزوں کی جو پیٹ میں ہے حفاظت کرے (یعنی حرام سے بچائے) اور موت اور وہاں کی بوسیدگی کو یاد رکھے، اور جو آخرت کا طلبگار ہوگا وہ دنیا کی آرائش و زیبائش کو ترک کردے گا (یعنی اس میں منہمک نہیں ہوگا) تو جس نے یہ سب کچھ کرلیا، اس نے اللہ سے حیاء کی جیسے حیاء کا حق ہے (۷۹) گویا صحیح فکر اور درست اقتصادی نظام کا قیام و بقاء اور متوازن و عاقبت اندیش سماجی رویوں کو اپنانا حیاء کے ضروری تقاضوں میں

Marfat.com

سے ہیں۔

عام طور یہ سمجھا جاتا ہے حیا موقع بے موقع خاموشی، مداہنت اور طبعیت کی کمزوری کا نام ہے حالانکہ حیاء تو ایک ایسی خوبی ہے کہ جس کی وجہ سے مندرجہ بالا رذائل دور ہوجاتے ہیں اور انسان کو فضائل و محاسن سے رغبت اور رذائل سے فطری نفرت پیدا ہوجاتی ہے(۸۰)

کفار کے لئے مشروط حکم

باب فان تابوا و اقاموا الصلاۃ و آتوا الزکاۃ فخلوا سبیلھم

(اگر (کفار) توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو)

اس ترجمہ (عنوان) سے مقصود بھی اس امر کی تائید ہے کہ اعمال جزو ایمان ہیں اس لحاظ سے کہ سورۂ توبہ کی آیت مبارکہ میں شرک سے توبہ یعنی تصدیق و اقرار، نماز قائم کرنے اور زکوۃ ادا کرنے پر راستہ چھوڑنے یعنی امن دیئے جانے کو موقوف رکھا گیا ہے گویا محض توحید و رسالت کا اقرار ہی مکمل ایمان نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ نماز قائم کرنے اور زکوۃ ادا کرنے یعنی ان سب کے مجموعے کو ایمان قرار دیا گیا ہے۔

جس طرح سورہ توبہ کی آیت نمبر ۵ میں توبہ، نماز اور زکوۃ کا ذکر ہے اسی طرح حدیث میں بھی تین اشیاء (توحید و رسالت کی گواہی اقامت صلوۃ اور اداء زکوۃ) مذکور ہیں، گویا حدیث نے آیت کی شرح کردی کہ یہاں توبہ سے مقصود شرک سے انکار اور توحید و رسالت کا اقرار ہے۔

حدثنا عبد اللہ بن محمد المسندی قال: حدثنا ابوروح الحرمی ابن عمارۃ قال: حدثنا شعبۃ عن واقد بن محمد قال: سمعت ابی یحدث عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ

Marfat.com

وسلم قال (امرت ان اقاتل الناس حتی یشهدوا ان لااله الا الله و ان محمدا رسول الله و یقیموا الصلاة، و یوتوا الزکاة فاذا فعلوا ذلک عصموا منی دماءهم و اموالهم الا بحق الاسلام و حسابهم علی الله)

ترجمہ: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا مجھے (خدا کا یہ) حکم ہوا ہے کہ لوگوں سے (کافروں سے) لڑوں یہاں تک کہ وہ یہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی سچا خدا نہیں ہے اور محمد اس کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں جب وہ یہ کرنے لگیں تو انہوں نے اپنی جانوں اور مالوں کو مجھ سے بچالیا مگر اسلام کے حق سے اور ان (کے دل کی باتوں) کا حساب اللہ پر رہے گا۔

توضیح: اس حدیث میں اس حقیقت کا بیان ہے کہ جو لوگ توحید و رسالت کا اقرار کرلیں گے، نماز قائم اور زکوۃ ادا کریں گے تو ان کے جان و مال محفوظ ہوجائیں گے لیکن یہ ضمانت اسلامی حقوق کے بارے میں نہیں ہوگی چنانچہ اگر کسی نے دائرہ اسلام میں آنے کے بعد جرائم کا ارتکاب کیا تو وہ ان کی سزا کا بھی سامنا کرے گا اور یہ بھی واضح رہے کہ دل کی باتوں کا حساب اللہ تعالی کے ذمہ ہے یعنی اگر کسی کا اقرار توحید و رسالت اور نماز و زکوۃ کا عمل محض نمائشی اور رسمی ہے تو آخرت میں وہ اپنی نیت کا پھل پالے گا لیکن دنیوی حقوق کے حوالے سے وہ مسلمان ہی متصور ہوگا۔

گو ظاہر حدیث کی رو سے غیر مسلموں سے اس وقت تک جنگ کرنے کا ذکر ہے جب تک وہ اسلام قبول نہ کرلیں لیکن دیگر قرآنی اور حدیثی نصوص کی رو سے علماء امت اور فقہاء دین کا اسپر اجماع ہے کہ وہ غیر مسلم، مسلمانوں کے زمرے میں شامل ہیں جو اسلامی معاشرے کے مستقل فرد اور وفادار شہری بن جائیں، یا وہ اسلامی ملک میں باقاعدہ اجازت (ویزہ) لیکر آئیں یا وہ مسلمانوں کے ساتھ کسی معاہدے میں شریک ہوں۔(۸۱)

اگر مسلمان زکوۃ نہ دیں تو مانعین زکوۃ کے اموال سے ان کے علی الرغم زکوۃ

وصول کی جائے گی اور اگر ایسے لوگ آمادۂ پیکار ہوں گے تو وہ باغی تصور کئے جائیں گے اور انہیں راہِ راست پر لانے کیلئے ہر قسم کی معاشرتی طاقت بھی استعمال کی جاسکتی ہے۔ جیسے خلیفہ راشد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوۃ سے جہاد کیا تھا، اسی طرح اگر کوئی اقامت صلوۃ سے گریز کرے تو اس کو بہرصورت نماز کی طرف راغب کیا جائے گا، اور اگر کسی علاقہ کے تمام لوگ اقامت صلوۃ ترک کرکے محاذ آرائی پر اتر آئیں تو اسے بغاوت تصور کرکے فرو کیا جائے گا، لیکن اگر کوئی انفرادی سطح پر نماز ترک کردے اور اپنے اس معمول کو بدلنے پر تیار نہ ہو تو امام احمد بن حنبل کے ہاں اس کو مرتد قرار دے کر اور امام مالک بن انس اور امام محمد بن ادریس شافعی کے نزدیک بطور شرعی سزا کے سزائے موت دیجائیگی جبکہ امام ابوحنیفہ کا کہنا یہ ہے کہ اس کو معروضی حالات کے مطابق سزا دی جائے گی جسکو فقہی اصطلاح میں تعزیر کہاجاتا ہے، تاہم توبہ کی صورت میں اسکی سزا موقوف کردی جائے گی (۸۲)

درحقیقت نماز و زکوۃ میں عبادت کے پہلو کے ساتھ اجتماعیت کا پہلو بھی ہے، عبادت ہونے کے حوالے سے وہ خالصتاً رب اور اس کے بندے کا معاملہ ہے لیکن اجتماعی نقطۂ نظر سے اس میں کوتاہی کو قابل سزا جرم قرار دیا گیا ہے تاکہ کسی طور پر بھی کوئی شخص اپنے آپ کو اجتماعیت اور اس کے تقاضوں سے علیحدہ نہ رکھے۔

ایمان اور عمل

باب من قال ان الایمان هو العمل

امام بخاری مذکورہ ترجمہ (عنوان) کے ذریعے کئی ایک نظریوں کی تردید کرنا چاہتے ہیں محض اقرار کو ایمان قرار دینے کا نظریہ (جیسا کہ کرامیہ کا موقف ہے) محض تصدیق کو مدار ایمان قرار دینے کا نظریہ (جیسا کہ مرجئہ کا مسلک ہے) اور محض معرفت پر ایمان کے اطلاق کا نظریہ (جیسا کہ جہمیہ کا عقیدہ ہے) چنانچہ امام بخاری حصر کے ساتھ کہتے

Marfat.com

ہیں کہ عمل ہی ایمان ہے، محض اقرار یا تصدیق یا معرفت، ایمان نہیں ہے۔ بعد ازیں انہوں نے تین آیات کے حوالے سے اپنے موقف کو واضح کیا ہے جن میں ایمان پر عمل کا اطلاق ہوا ہے

لقول الله تعالى: و تلک الجنة التی أورثتموها بما کنتم تعملون. و قال عدة من أهل العلم فی قوله تعالى فوربک لنسألنهم أجمعين عما کانوا يعملون، عن قول لا اله الا الله. و قال: لمثل هذا فليعمل العاملون

اللہ تعالیٰ نے (سورۂ زخرف میں) فرمایا یہ جنت جس کے تم وارث ہوئے تمہارے عمل کا بدلہ ہے اور کئی علماء نے اس آیت کی تفسیر میں (جو سورۂ حجر میں ہے) قسم تیرے رب کی ہم ان سب لوگوں سے ان کے عمل کی بازپرس کریں گے یہ کہا ہے کہ لاالہ الااللہ کہنے کی بابت (بازپرس ہوگی) اور (سورۂ والصفت میں) فرمایا ایسی ہی کامیابی کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے۔

۱: سورۂ زخرف کی آیت ۷۲ میں عمل کو دخول جنت کا سبب قرار دیا گیا ہے اور عمل سے یہاں مقصود ایمان ہی ہے کیونکہ جنت میں دخول بغیر ایمان کے ممکن نہیں ہے۔

اس آیت میں جنت پر وراثت کا اطلاق کیا گیا ہے جس طرح وراثت میں ملنے والی چیز کسی سے واپس نہیں لیجاسکتی، اسی طرح جنت خلود اور دوام کے ساتھ عطا کی جائے گی۔ اور جیسے وارث، حصول وراثت کے بعد تصرف میں مکمل طور پر بااختیار ہوتا ہے، اسی طرح اللہ کی طرف سے اہل جنت کو مکمل آزادی کے ساتھ تصرف کا اختیار دیا گیا ہے۔ نیز ابتداء میں جنت حضرت آدم علیہ السلام کو عطا کی گئی تھی تو گویا یہ ان کی میراث ہوئی جو ان کی اولاد کو ملے گی (۸۳)

۲: سورۃ الحجر کی آیت ۹۲-۹۳ میں کفار سے ان کے اعمال کے بارے میں بازپرس کا ذکر ہے حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اور حضرت مجاہد بن جبر نے اسکی تفسیر میں کہا ہے کہ پوچھ گچھ توحید کے بارے میں ہوگی

تو گویا کلمۂ توحید پر عمل کا اطلاق کیا گیا ہے۔

۳: سورۃ الصافات کی آیت ۶۱ میں دخول جنت جیسی کامیابی کیلئے عمل کی تلقین کا ذکر ہے اور یہ امر واضح ہے کہ دخول جنت کی بنیادی شرط ایمان باللہ ہے۔

حدثنا أحمد بن يونس و موسى بن اسماعيل قالا: حدثنا ابراهيم بن سعد قال: حدثنا ابن شهاب عن سعيد بن المسيب عن أبى هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم سئل اى العمل أفضل؟ فقال: (ايمان بالله و رسوله قيل: ثم ماذا؟ قال الجهاد فى سبيل الله قيل: ثم ماذا؟ قال: حج مبرور)

ترجمہ: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کونسا عمل افضل ہے آپ ﷺ نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا، کہا گیا پھر کونسا (عمل) فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا، کہا گیا پھر کونسا (عمل) فرمایا وہ حج جو مبرور ہو۔

توضیح: یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ دنیوی تکالیف و مصائب کے بقدر اللہ تعالی کی طرف سے انعامات کے دروازے کھلتے ہیں اسی حوالے سے آخرت میں درجات کا فرق مراتب ہوگا۔ اس نقطۂ نظر سے سب سے افضل درجہ اپنے آباء و اجداد کے دین اور خاندانی روایات کو ترک کر کے اس دین فطرت (اسلام) کو اختیار کرنا ہے جس میں اپنے ماضی کی تغلیط، اپنے خاندان، آباء و اجداد کو ناواقف قرار دینا اور اپنے ان معبودوں سے اظہار بیزاری ہے جن کی پہلے عبادت کی جاتی تھی، اس کے بعد دوسرا درجہ جہاد فی سبیل اللہ کا ہے کیونکہ اس میں بغیر کسی یقینی دنیوی مفاد کے ہر قسم کے سکون و آرام کو بالائے طاق رکھ کر ہر قسم کے شدید مصائب کا ہدف بننا اور زندگی کی آرزو کو ایک طرف رکھ کر جان و مال سے کھیلنا ہوتا ہے۔

تیسرا درجہ حج مبرور کا ہے کہ اس میں بھی جانی و مالی مشقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اسی بناء پر حج کو خواتین کا جہاد قرار دیا گیا ہے۔ حج مبرور کا مفہوم یہ ہے کہ انسان تمام نفسانی خواہشات سے رکا رہے اور اس میں دینداری کی نمائش، سرمایہ اندوزی، اور

Marfat.com

کسی قسم کی ذاتی اغراض پوشیدہ نہ ہوں۔ نیز جس میں جنایت (قوانین حج کے منافی عمل) کا ارتکاب نہ کیا گیا، ایسے حج کی علامت یہ ہے کہ حج کے بعد کی زندگی عبدیت اور معاشرت کے اعتبار سے حج سے پہلے کی زندگی سے بہتر ہوتی ہے۔(۸۴)

اسلام کا حقیقی اور ظاہری مفہوم

باب اذا لم یکن الاسلام علی الحقیقة و کان علی الاستسلام أو الخوف من القتل لقوله تعالی: قالت الاعراب آمنا قل لم تؤمنوا و لکن قولوا اسلمنا (۸۵) فاذا کان علی الحقیقة فهو علی قوله جل ذکره ان الدین عند الله الاسلام (۸۶)

(باب کبھی اسلام سے اسکی حقیقی (شرعی) معنی مراد نہیں ہوتے بلکہ ظاہری تابعداری یا جان کے ڈر سے مان لینا مراد ہوتے ہیں جیسے اللہ تعالی نے (سورۂ حجرات میں) فرمایا گنوار لوگ کہتے ہیں ہم ایمان لائے (اے پیغمبر) ان سے کہہ دیجئے تم ایمان نہیں لائے یوں کہو ہم اسلام لائے لیکن اسلام جب اپنے حقیقی معنی (شرعی معنی) میں ہوگا تو وہ اسلام ہوگا جو (سورۂ آل عمران کی) اس آیت میں مراد ہے اللہ کے نزدیک (سچا) دین اسلام ہے۔)

امام بخاری شرعی نقطۂ نظر سے اسلام و ایمان کے معتبر ہونے کے بارے میں بتا رہے ہیں کہ جب اسلام حقیقت پر مبنی نہ ہو بلکہ محض ظاہری تابعداری ہو یا جان بچانے کیلئے کوئی مسلمان ہوا ہو تو یہ اسلام دنیوی امور اور معاشرتی معاملات میں معتبر ہوگا جیسے منافق اعراب (بدو) کو اسلمنا (ہم اسلام لائے) کہنے کی اجازت دی گئی کیونکہ دنیا میں ان پر مومنین کے احکام جاری ہوتے ہیں لیکن جب اسلام حقیقت پر مبنی ہوگا تو یہ اسلام آخرت میں بھی معتبر ہوگا جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالی کے ہاں سچا دین

Marfat.com

اسلام ہی ہے۔ اس سے ترجمہ (عنوان) میں مذکور "اذا" کے جواب کا اندازہ بھی ہوتا ہے اور عبارت کچھ یوں بنتی ہے۔

"اذا لم یکن الاسلام علی الحقیقة بل کان علی الاستسلام الظاهری او الخوف من القتل فیعتد به فی الاحکام الدنیویة لقوله تعالی" الخ

اور اگر اعراب (بدوؤں) کو منافقین کی بجائے کمزور مسلمان شمار کیا جائے تو اس صورت میں امام بخاری کے پیش نظر یہ ہے کہ ایمان کے درجات میں بعض اتنے ناقص و کمزور ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے ایمان کی نفی کی جاسکتی ہے جیسا کہ سورۂ حجرات کی آیت میں ہے کہ چونکہ اب تک ایمان دلوں میں رچا بسا نہیں لہذا کالعدم ہے، ایسی صورت میں "الحقیقة" سے مقصود "الکمال" ہوگا(۸۷)

حدثنا أبوالیمان قال أخبرنا شعیب عن الزهری قال: اخبرنی عامر بن سعد بن ابی وقاص عن سعد رضی الله عنه (أن رسول الله صلی الله علیه وسلم اعطی رهطا و سعد جالس فترک رسول الله صلی الله علیه وسلم رجلا هو اعجبهم الی فقلت یا رسول الله مالک عن فلان؟ فو الله انی لأراه مؤمنا؟ فقال: أو مسلما، فسکت قلیلا ثم غلبنی ما أعلم منه فعدت لمقالتی فقلت: مالک عن فلان؟ فو الله انی لأراه مؤمنا، فقال أو مسلما، فسکت قلیلا ثم غلبنی ماأعلم منه فعدت لمقالتی و عاد رسول الله صلی الله علیه وسلم ثم قال: یا سعد انی لاعطی الرجل وغیره أحب الی منه خشیة ان یکبه الله فی النار) ورواه یونس و صالح و معمر و ابن أخی الزهری عن الزهری.

ترجمہ: سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے چند لوگوں کو کچھ مال دیا اور سعد بیٹھے ہوئے تھے آپ ﷺ نے ایک شخص کو چھوڑ

دیا (نہ دیا) وہ ان سب لوگوں میں مجھے زیادہ پسند تھا میں نے کہا یا رسول اللہ آپ نے فلاں شخص کو چھوڑ دیا قسم خدا کی میں تو اس کو مومن سمجھتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا یا مسلم؟ پھر تھوڑی دیر میں چپ رہا پھر جو حال میں اس کا جانتا تھا اس نے تقاضہ کیا میں نے دوبارہ عرض کیا آپ ﷺ نے فلاں شخص کو کیوں چھوڑ دیا قسم خدا میں تو اس کو مومن جانتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا یا مسلم؟ پھر تھوڑی دیر میں چپ رہا پھر جو حال میں اس کا جانتا تھا اس نے تقاضہ کیا میں نے تیسری بار وہی عرض کیا اور آنحضرت ﷺ نے وہی فرمایا اس کے بعد یہ فرمایا اے سعد! میں ایک شخص کو اس اندیشے سے کچھ دیتا ہوں حالانکہ دوسرے شخص کو اس سے اچھا سمجھتا ہوں کہ کہیں اللہ اس کو اوندھا دوزخ میں نہ دھکیل دے (کہ نہ دینے کے سبب مرتد ہو جائے)

توضیح: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں رسول اللہ ﷺ نے چند افراد (جن کی تعداد تین سے دس کے درمیان تھی) کے درمیان مال تقسیم کیا لیکن ایک ایسے شخص کو آپ نے نظر انداز کر دیا جو حضرت سعد کو ایمانی حالت کی وجہ سے محبوب تھا، حضرت سعد نے رازدارانہ انداز میں دریافت کیا کہ آپ نے انہیں کیوں نہ مال دیا، بخدا میں تو ان کو مومن خیال کرتا ہوں آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا مومن یا مسلم یعنی سوچ کر کہو، مومن کہہ رہے ہو یا مسلم، یہ سن کر حضرت سعد کچھ دیر خاموش رہے پھر اپنی معلومات کے تقاضے کے سبب غلبۂ حال میں دوبارہ اور سہ بارہ یہی سوال کیا اور آپ کی طرف سے بھی وہی جواب ملا، گو ایک لحاظ سے حضرت سعد بار بار سوال کرنے پر معذور تھے لیکن ان کے اس اصرار کو آپ نے پسند نہیں کیا چنانچہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا سعد! جھگڑ رہے ہو یا سفارش کر رہے ہو؟ پھر آپ نے ان کے اس خیال کی اصلاح کی کہ آپ جسکو مال زیادہ عنایت کرتے ہیں وہ آپ کی نظر میں پسندیدہ و محبوب ہوتا ہے اور جس کو کچھ نہیں عطا کرتے وہ ایمانی لحاظ سے قابل رشک نہیں

Marfat.com

ہوتا، اور فرمایا بسا اوقات مضبوط ایمان کے مالک فرد کو چھوڑ دیتا ہوں کہ اس کا ایمان قوی و مضبوط ہوچکا ہے اور اسے مال و دولت نہ دینے سے اسکا ایمان متزلزل نہ ہوگا جبکہ کمزور ایمان کے حامل شخص کو مال دیدیتا ہوں کہ اندیشہ ہوتا ہے کہ غربت و احتیاج کی وجہ سے کہیں اسلام ترک کرکے دائمی خسارہ کا سودا نہ کرلے، جیسا کہ آپ ہی کا ارشاد ہے کہ اندیشہ ہے کہ فقر و فاقہ کفر کی شکل اختیار کرلے۔

اسی بناء پر شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ انسانیت کے اجتماعی اخلاق اس وقت بالکل برباد ہوجاتے ہیں جب کسی جبر سے ان کو اقتصادی تنگی پر مجبور کردیا جائے اور وہ گدھے اور بیل کی طرح صرف روٹی کیلئے کام کریں مزید کہتے ہیں کہ جب کبھی انسانیت پر ایسی مصیبت آتی ہے تو خدا تعالی انسانیت کو اس مصیبت سے نجات دلانے کیلیے کوئی نہ کوئی سبیل نکالتا ہے اور اس کا اپنے کسی بندے کو الہام بھی کرتا ہے۔ فرعون کی ہلاکت اور قیصر و کسری کی تباہی اسی اصول پر لوازم نبوت میں سے شمار ہوتی ہے۔(۸۸)

گو فقہاء کرام نے کہا ہے کہ مؤلفتہ القلوب (کمزور ایمان والے غریب مسلمان جن کی دلجوئی کی ضرورت ہوتی ہے) کیلئے مصارف زکوۃ میں اب کوئی مد نہیں ہے، کیونکہ مسلمانوں کی تعداد اب بہت زیادہ ہوچکی ہے تاہم یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ امام (جامع الشرائط شخصیت یا اہل افراد کا ادارہ) کو ملی مفاد کے پیش نظر ایسے افراد کی بھرپور اعانت کرنی چاہیئے۔ نیز اسکو اجتماعی مفاد میں بیت المال کی رقوم صرف کرتے وقت معروضی حالات کے مطابق ترجیحات متعین کرنا چاہیے۔

اس حدیث سے یہ بھی اخذ کیا گیا ہے کہ جس شخص سے سفارش کی جارہی ہے اگر وہ خلاف مصلحت ہونے کی وجہ سے سفارش رد کردے تو اس پر کوئی عتاب یا ملامت نہیں ہے تاہم اس کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ سفارش کرنے والے کے سامنے سفارش رد کرنے کی مصلحت بھی ذکر کردے نیز سفارش کنندہ کو بھی

سفارش کرنے کی مصلحت بتانی چاہیے۔

گو حدیث میں زیر بحث فرد حضرت جُعَیل بن سراقہ ضمری رضی اللہ عنہ خالص مومن تھے اور ایک موقع پر خود رسول اکرم ﷺ نے ان کو کئی افراد سے بہتر قرار دیا تھا چنانچہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جعیل سامنے سے گزرے تو رسول اکرم ﷺ نے دریافت کیا تم ان کے بارے میں کیا گمان رکھتے ہو؟ میں نے کہا دیگر مہاجرین جیسے ہیں۔ اس کے بعد ایک اور صاحب گزرے، آپ نے ان کے بارے میں میرے خیالات معلوم کئے میں نے کہا یہ تو سرداروں میں سے ایک ہیں، اس پر آپ نے فرمایا اگر تمام زمین ایسے سرداروں سے بھری ہوئی ہو تو اکیلا جعیل ان سب سے بہتر ہے(۸۹) لیکن ایمان جیسی باطنی اور قلبی حقیقت پر تاکید کے ساتھ قسمیہ اظہار رائے خصوصاً صاحب وحی کے سامنے ایسی جرأت کرنے پر آپ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو تنبیہ کی اور ان کو لفظی احتیاط اور سلیقۂ کلام سمجھانے کیلئے اسلوب انکار اختیار کیا اور یہ ضابطہ بتایا کہ اگر حتمی طور پر اظہار رائے مقصود ہو تو ایسی چیز کی بابت اظہار خیال کیا جائے جس پر اطلاع ممکن ہو(۹۰) ظاہر ہے کہ وہ اسلام ہے ایمان نہیں۔

سلام عام کرنا

باب افشاء السلام من الاسلام

امام بخاری اس باب میں عمل کو ایمان کا جزو قرار دینے کے نظریئے کے تحت یہ بتانا چاہتے ہیں کہ سلام کی کثرت اور اس کی ترویج حقیقی اسلام کی علامت ہے۔ "افشاء" کا مفہوم یہ ہے کہ کسی خاص شخص یا وقت یا مصلحت کی تخصیص اور قید سے سلام کو بالاتر رکھا جائے۔

درحقیقت دین فطرت نے ایسی تعلیمات دی ہیں جن پر عمل کرنے سے

اجتماعی اور معاشرتی ماحول میں خوشگوار فضا پیدا ہو سکتی ہے نیز انسان کو مہذب و شائستہ بنانے کے لئے ان اصولوں کو زندگی کا لازمی جزو قرار دیا، تہذیب و شائستگی کے ان اصولوں میں باہمی ملاقات کے آداب بھی شامل ہیں جن میں سے ایک ادب ملاقات کے وقت امن و سلامتی کا پیام (السلام علیکم) بھی ہے۔

و قال عمار: ثلاث من جمعهن فقد جمع الايمان: الانصاف من نفسک و بذل السلام للعالم و الانفاق من الاقتار

(عمار رضی اللہ عنہ نے کہا تین باتیں جس نے اکٹھا کرلیں اس نے ایمان کو جمع کرلیا ایک تو اپنا انصاف اپنے جی میں کرنا اور دوسرے سب کو سلام کرنا تیسرے مالی تنگی ہونے کے باوجود خرچ کرنا)۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے تین اوصاف کے حامل کو جامع ایمان قرار دیا ہے ایک تو یہ کہ ہر معاملہ میں اپنے دل اور ضمیر کے تقاضے سے انصاف کرے اور متوازن راہ اپنائے، کسی کے خوف یا نمائش و دکھلاوے کے حوالہ سے نہ ہو، دوم یہ کہ دنیا میں سلام کی اشاعت یعنی بلاتفریق ہر ایک کو سلام کرے، سوم یہ کہ باوجود تنگدستی کے راہ خدا میں خرچ کرے، اس طرح اس کے سامنے ایک تو یہ حقیقت رہے گی کہ انسان کے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ تعالی کا عطا کردہ ہے اور اس نے ہی حصول نفع کا حق دیا ہے اور دوسری یہ بات کہ فارغ البالی کی صورت میں راہ خدا میں خرچ کرنے میں کوئی مشکل اور دقت محسوس نہیں ہوگی۔ الغرض ایک مثالی فرد اور معاشرہ میں ان تین اوصاف کا ہونا ضروری ہے۔

حدثنا قتيبة قال: حدثنا الليث عن يزيد بن ابى حبيب عن ابى الخير عن عبد الله بن عمرو (ان رجلا سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم اى الاسلام خير؟ قال تطعم الطعام، و تقرأ السلام على من عرفت و من لم تعرف)

ترجمہ: عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا اسلام کی کونسی خصلت بہتر ہے آپ ﷺ نے

Marfat.com

فرمایا کھانا کھلانا اور ہر ایک کو سلام کرنا، اس سے تیری پہچان ہو یا نہ ہو۔

توضیح: حدیث میں ہر ایک تک سلام پہنچانے کو بہترین خصلت قرار دیا گیا ہے، کیونکہ اس کے ذریعہ افراد آپسمیں اس معاہدہ کی یاددہانی کراتے ہیں جس کے تحت وہ ایک دوسرے کو آزار پہنچانے سے پرہیز کے پابند ہیں تو گویا باہمی سلام کے تبادلہ سے امن کے معاشرتی معاہدہ کی تجدید ہوتی ہے جس سے فریقین کو اطمینان اور دلجمعی حاصل ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اس میں ایک دوسرے کیلئے نیک تمناؤں کا اظہار ہے، جس سے جانبین میں باہمی محبت کو فروغ حاصل ہوتا ہے اور دلوں میں پیدا ہونے والے بیزاری کے وسوسوں سے چھٹکارا حاصل ہوتا ہے، مزید برآں اس میں ایک دوسرے کیلئے ابدی سلامتی کی بشارت اور خوشخبری کا پہلو بھی موجود ہے، لہذا سلام کرنے میں کسی قسم کے بخل سے کام نہیں لینا چاہئے، حتی کہ کمسن بچوں اور اپنے اہل و عیال کو بھی اس عمل میں شریک کرنا چاہئے، مزید برآں سلام کے مذکورہ مقاصد اس جملہ کی ادائیگی سے ہی حاصل ہوسکتے ہیں، ہاتھ اور سر کا اشارہ اس کے قائم مقام نہیں ہوسکتا۔ جب ایک جانب سے سلام کہہ دیا جائے تو دوسرے پر لازم ہوجاتا ہے کہ وہ اس خیر سگالی کا اس سے بہتر یا کم از کم اس جیسا جواب دے(۹۱) بہتر یہ ہے کہ سلام کے ساتھ رحمت و برکت کی دعاء کو بھی شامل کرلیا جائے یعنی یوں کہا جائے السلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ، اسی طرح جواب میں اسی نوعیت کے الفاظ دہرادیئے جائیں، ان میں مزید الفاظ شامل نہ کئے جائیں کہ اس طرح سلام میں تصنع اور بناوٹ در کر آئے گی اور سلام کے مقاصد اوجھل ہوجائیں گے۔

جہاں تک غیر مسلموں کو سلام کرنے کی نوعیت ہے تو اس سلسلے میں فقہاء میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے بعض فقہاء کے ہاں اس کی گنجائش موجود ہے، ان کے پیش نظر دو جلیل القدر صحابہ کا عمل ہے، حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ یہود و نصاری میں سے جس کے پاس سے گزرتے، اسے سلام کیا کرتے تھے اور یہ بھی

فرماتے رسول اکرم ﷺ نے ہمیں ہر مسلمان اور غیر مسلم کو سلام کرنے کا حکم دیا ہے، اسی طرح حضرت علقمہ کی روایت ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ سالحین نامی مقام پر گیا، وہاں کے نوکاشتکاران کے ہمراہ ہولئے، جب وہ کوفہ میں داخل ہوئے تو انہوں نے دوسرا راستہ اختیار کیا، حضرت ابن مسعودؓ نے انہیں سلام کیا، میں نے دریافت کیا: کیا آپ ان کافروں کو سلام کرتے ہیں؟ فرمایا: جی ہاں! یہ ہمارے ساتھ رہ چکے ہیں اور ساتھی کا حق ہوتا ہے (۹۲) الغرض زیر نظر حدیث کی رو سے مسلمان کو جیتاجاگتا سلامتی کا پیغامبر ہونا چاہیئے اور اس سے ہی اسلامی تمدن تشکیل پاتا ہے۔

فائدہ: امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث "باب اطعام الطعام من الاسلام" میں عمرو بن ابی خالد کے حوالے سے روایت کی تھی جبکہ یہاں وہ قتیبہ کے واسطے سے ذکر کررہے ہیں کہ اول الذکر استاد نے اس حدیث سے "اطعام الطعام" ثابت کیا اور موخر الذکر شیخ نے اس حدیث سے "افشاء السلام" کو بیان کیا گویا امام موصوف نے اپنے دونوں اساتذہ کے مقاصد کو پیش نظر الگ الگ تراجم (عنوانات) قائم کئے۔

شریک حیات کی ناشکری اور کفر کے درجات

باب کفران العشیر و کفر دون کفر

امام بخاری کے پیش نظر اس ترجمہ (عنوان) سے دو مقاصد ہیں ایک یہ کہ جس طرح کفر میں مختلف مراتب ہیں بعض بڑے اور بعض ان میں سے کمتر ہیں یعنی جس طرح کفر میں کمی بیشی ہوتی ہے اسی طرح اس کی ضد یعنی ایمان میں بھی کمی بیشی ثابت ہوتی ہے کیونکہ ایک ضد کا درجہ بڑھے گا یا گھٹے گا تو اس کے مقابلے دوسرے ضد کا درجہ کم یا زیادہ ہوگا۔ دوسرے یہ کہ معاصی (گناہ) کفر میں داخل ہیں تو نتیجتاً اعمال صالحہ

بھی ایمان میں داخل ہیں۔

کفران اور کفر کا معنی اصل مادہ کے اعتبار سے چھپانا ہے(۹۳) از روئے شریعت دونوں کے استعمال میں فرق ہے کہ کفر عموماً اسلام کی ضد میں استعمال ہوتا جبکہ کفران کا بالعموم احسان فراموشی اور نعمتوں کی ناشکری کے معنوں میں اطلاق کیا جاتا ہے۔

"کفر دون کفر" کے الفاظ عطاء بن ابی رباح کے ہیں جو انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول سے اخذ کئے ہیں جو ان سے سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۴۴ کی تفسیر میں منقول ہیں، آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جو اللہ تعالی کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو وہ کافر ہیں، حضرت ابن عباس نے وضاحت کی کہ یہ کفر ہے لیکن اللہ، فرشتوں اور رسولوں کے انکار و کفر جیسا نہیں(۹۴)

امام راغب نے "دون" کے معنی گھٹیا درجہ اور پست و کمتر مرتبہ کے بتلائے ہیں(۹۵) تو گویا "کفر دون کفر" کا مفہوم یہ ہوا کہ بڑے کفر کے تحت کفر کے کچھ دیگر درجات بھی ہیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بعینہ حضرت ابن عباس جیسی حدیث مروی ہے(۹۶)

حدثنا عبدالله بن مسلمة عن مالک عن زید بن اسلم عن عطاء بن یسار عن ابن عباس قال: قال النبی صلی الله علیه وسلم (أریت النار فاذا أکثر أهلها النساء یکفرن قیل: ایکفرن بالله؟ قال یکفرن العشیر، و یکفرن الاحسان، لواحسنت الی احداهن الدهر ثم رأت منک شیئا قالت: مارأیت منک خیرا قط)

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا (ایک لمبی حدیث میں) مجھے دوزخ دکھائی گئی کیا دیکھتا ہوں وہاں عورتیں بہت ہیں وہ کفر کرتی ہیں لوگوں نے کہا کیا اللہ کا کفر کرتی ہیں آپ ﷺ نے فرمایا (نہیں)

خاوند کا کفر (اس کی ناشکری) کرتی ہیں اور احسان نہیں مانتیں اگر ایک عورت سے ساری عمر احسان کرو پھر وہ (ایک ذرا سی) کوئی بات تم سے دیکھے (جس کو پسند نہ کرتی ہو) تو کہنے لگتی ہے میں نے تو تجھ سے کبھی کوئی بھلائی نہیں پائی۔

توضیح: جس طرح ساری انسانیت خدا کا کنبہ ہے اور اسکی حقیقی نگرانی میں ہے اسی طرح چند افراد پر مشتمل خاندان شوہر کی ذمہ داری اور نگرانی میں ہوتا ہے، اسی بناء پر اسکی اجتماعی حیثیت و مرتبہ کو تسلیم کیا جانا ضروری ہے ورنہ اس سے روگردانی انسانیت کی وسیع تر اجتماعیت سے انکار پر منتج ہو سکتی ہے، اسی حوالہ سے شوہر کی نافرمانی کو خدا کے انکار اور نافرمانی کی سیڑھی قرار دیا گیا ہے اور یہ کفر کا ایک کمتر درجہ ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ صحابہ نے سوال کیا کہ کیا عورتیں اللہ کے ساتھ کفر و انکار کا برتاؤ کرتی ہیں آپ نے نفی یا اثبات میں جواب دینے کی بجائے یہ معروضی حقیقت حال بتائی کہ وہ اپنے خاوند کی ناشکر گزار ہوتی ہیں (۹۷) یعنی گو بظاہر انکار خدا نہیں کرتیں مگر اسی کے ابتدائی شعبہ میں مبتلا ہیں، اس حدیث سے احسان فراموشی کے گناہ کی شدت کا اندازہ ہوتا ہے لہذا جس قدر بڑے احسان کو فراموش کیا جائے گا اور ناشکری کی جائے گی، اسی قدر وہ کفر کے قریب ہو گا یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہنا چاہیئے کہ جس طرح اللہ تعالی اپنی مخلوق پر نہایت کریم اور مہربان ہیں، اسی طرح شوہر کو فراخدل اور اپنے اجتماعی ادارے کی دلسوزی سے خدمت کرنے والا ہونا چاہیئے چنانچہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے تم میں سے بہترین وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے حق میں بہتر ہیں (۹۸) اور اس کے بعد انسانیت کی خدمت اس کا مقصود ہونا چاہیئے کیونکہ ایمان باللہ یا خداپرستی کی ایک منزل انسان دوستی ہے جیسا کہ ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ جس نے لوگوں کی ناشکری کی وہ اللہ کا بھی ناشکر گزار ہے، اگر آدمی یہ مانتا ہے کہ سارے انسان اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور اس کو خالق حقیقی سے محبت ہے تو لازمی ہے کہ اسے اس کی مخلوق سے بھی محبت ہو اور اگر اسے مخلوق سے محبت نہیں تو یہ سمجھ لو کہ وہ

خدا کی محبت کے دعوی میں سچا نہیں، خدا پرستی کی پہچان اس دنیا میں تو یہی ہے کہ خدا پرست انسان کو خدا کے سارے بندوں سے محبت ہو اور وہ خدا کی خوشنودی، اس کی مخلوقات کی خدمت اور اس کی بہبودی میں ڈھونڈ لے(۹۹)

حدیث میں لفظ "عشیر" (وہ جس کے ساتھ زندگی بسر کی جائے) کا استعمال اس امر کی نشاندہی کر رہا ہے کہ خاندان کا ادارہ در حقیقت دو افراد کے باہمی میل جول اور ان کے درمیان مساوی معاشرتی حیثیت سے تشکیل پاتا ہے۔ ان میں حاکم و محکوم، آقا و غلام کے رشتہ کی بجائے "زوجیت" کا رشتہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے ہمسر اور جوڑ ہیں، یہی سبب ہے کہ عربی لغت میں "زوج" کا اطلاق مرد و عورت پر یکساں ہوتا ہے جس سے دونوں کے مساوی حیثیت کا اندازہ ہوتا ہے، اسی طرح قرآن حکیم میں بیوی کیلئے اگر کوئی لفظ مخصوص بھی کیا گیا ہے تو وہ "صاحبہ" ہے جس کا مفہوم بھی ساتھی اور رفیق کے ہیں، الغرض یہ ادارہ (خاندان) دو افراد کے مابین ایک مساوی معاہدہ سے وجود پذیر ہوتا ہے، جس کی رو سے فریقین پر ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، ایک فریق کی ذمہ داری ہے کہ وہ دوسرے کی معاشی و سماجی ضروریات کی کفالت و نگہبانی کرے تو اس کے جواب میں دوسرے فریق کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ خاندان کے مفاد میں نہ صرف اسکی ناسپاسی اور تعاون کش رویے سے گریز کرے جس کو زیر نظر حدیث میں "کفران" سے تعبیر کیا گیا ہے بلکہ اسکو تعاون فراہم کرے کیونکہ باہمی تعاون سے ہی ادارے پروان چڑھتے ہیں، حدیث میں "کفران العشیر" کی انتہائی جامع تعبیر اختیار کی گئی کہ ایک فریق میل جول اور تعاون کا رویہ اپنائے ہوئے ہے اور دوسرا دست تعاون کو جھٹک رہا ہے اور یوں اپنے لئے نفرت کی آگ دہکا رہا ہے، جو روز قیامت دوزخ کی آگ کی شکل اختیار کر لے گی۔

Marfat.com

معاصی کی حقیقت

باب المعاصی من امر الجاہلیۃ و لایکفر صاحبھا بارتکابھا الا بالشرک لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم انک امرؤ فیک جاھلیۃ و قول اللہ تعالی ان اللہ لایغفر ان یشرک بہ و یغفر مادون ذلک لمن یشاء(۱۰۰) و ان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فأصلحوا بینھما(۱۰۱) فسماھم المؤمنین.

(باب گناہ جاہلیت کے کام ہیں اور گناہ کرنے والے کو گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے کافر قرار نہیں دیا جائے گا سوائے اس کے کہ شرک کرے (یا کفر کا اعتقاد رکھے) کیونکہ آنحضرت ﷺ نے (ابوذرؓ سے) فرمایا تو ایسا آدمی ہے جس میں جاہلیت کی خصلت ہے اور اللہ نے (سورۂ نساء) میں فرمایا اللہ تو شرک کو نہیں بخشے گا اور اس سے کم جس کے چاہے گا (گناہ) بخش دیگا (سورۃ الحجرات میں ہے) اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو ان میں صلح کرادو تو اللہ نے دونوں گروہوں کو مسلمان کہا۔)

جاہلیت کا اطلاق فترت کے زمانہ پر کیا جاتا ہے یعنی حضرت عیسی علیہ السلام کے بعد سے رسول اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے تک کا دور جبکہ عام طور پر کوئی آسمانی دین محفوظ نہیں رہا تھا۔

امر جاہلیت سے مقصود امور کفر ہیں لیکن امام بخاری نے حدیث کے الفاظ کی وجہ سے ترجمہ (عنوان) میں کفر کی بجائے جاہلیت کا لفظ استعمال کیا ہے۔

امام بخاری گزشتہ ابواب کے ذریعے اعمال خیر کی ضرورت و اہمیت واضح کرنے کے بعد اب اس باب سے معاصی اور گناہوں کی مضرت اور قباحت پر روشنی ڈال رہے ہیں، اس سے "ارجائی" نظریات کی تردید کے علاوہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ معاصی اور

Marfat.com

گناہ دور جاہلیت اور دور کفر کی چیزیں ہیں، ہر معصیت میں کسی نہ کسی درجہ کفر کا رنگ جھلکتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مضر ایمان بھی ہیں۔ ساتھ ہی امام بخاری نے یہ بھی صراحت کردی ہے کہ سوائے کھلے اور جلی شرک اور عقیدۂ کفر کے کسی معصیت کی بناء پر کسی تکفیر نہیں کی جاسکتی لہذا خارجی اور اعتزالی نظریات بھی غیر متوازن اور انتہاپسندی پر مبنی ہیں چنانچہ مسلمانوں کو باہمی لڑائی کے گناہ کبیرہ میں مبتلا ہونے کے باوجود مومن کہا گیا ہے گو ہر معصیت کفر ہے لیکن ضروری نہیں کہ جہاں کوئی معصیت پائی جائے تو اس کے مرتکب کو کافر بھی قرار دیدیا جائے۔(۱۰۲)

استدلال میں پیش کردہ ارشاد نبوی کا تعلق ترجمۃ الباب کے پہلے حصہ (مرجئہ کی تردید) سے ہے اور ارشاد خداوندی کا تعلق دوسرے حصہ (خوارج و معتزلہ کی تغلیط) سے ہے۔

حدثنا عبد الرحمن بن المبارک قال حدثنا حماد بن زید قال حدثنا ایوب و یونس عن الحسن عن الاحنف بن قیس قال ذهبت لانصر هذا الرجل فلقینی ابوبکرة فقال این ترید؟ قلت: انصر هذا الرجل، قال: ارجع فانی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: اذا التقی المسلمان بسیفیهما فالقاتل و المقتول فی النار، فقلت: یارسول الله هذا القاتل فما بال المقتول؟ قال: انه کان حریصا علی قتل صاحبه)

ترجمہ: احنف بن قیس سے روایت ہے کہتے ہیں میں اس شخص کی مدد کرنے کیلئے چلا تو (راستہ میں) مجھ کو ابوبکرہ رضی اللہ عنہ ملے پوچھا کہاں جاتے ہو؟ میں نے کہا اس شخص کی مدد کرنے کو ابوبکرہ نے کہا اپنے گھر کو لوٹ جاؤ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے جب دو مسلمان اپنی اپنی تلواریں لیکر مقابلے پر آجائیں تو قاتل اور مقتول دوزخی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ قاتل تو خیر (ضرور دوزخی ہوگا) مقتول کیوں دوزخی ہوگا فرمایا اس کو اپنے ساتھی کے مار ڈالنے کی خواہش تھی۔

Marfat.com

توضیح: حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ کا مندرجہ بالا واقعہ جنگ جمل سے تعلق رکھتا ہے جب وہ خلیفہ راشد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مدد کے ارادہ سے نکلے تھے، بعض روایات میں ہے کہ یہ چونکہ سردار تھے اس لئے اپنی قوم کے ہمراہ نکلے لیکن حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث نبوی سنادی کہ دو مسلمان جب باہمی مقابلہ پر صف آرا ہوں تو قاتل و مقتول دونوں مستحق جہنم ہیں قاتل کا مستحق سزا ہونا تو واضح ہے، مقتول اس لئے مستحق سزا ہے کہ وہ دوسرے کے قتل کرنے پر حریص تھا اور اس نے اپنی پوری کوشش صرف کی گو اتفاق سے اسکا وار نہ چل سکا۔

حدیث بالا سے واضح ہوتا ہے کہ حرص کا مرتبہ عزم سے بڑھ کر ہے اور درپیش معاملے کے حوالہ سے یہ باعث اجر یا باعث عذاب بھی بنتا ہے حرص کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کام کی انجام دہی کیلئے بھرپور کوشش کی جائے اور اس کیلئے اسباب بھی مہیا کر لئے جائیں۔

حدیث میں بیان کردہ وعید ان لوگوں کے حق میں ہے جو بغیر کسی معقول اجتہادی دلیل کے ناحق (ذاتی و گروہی اغراض کیلئے) محاذ آرا ہوں لہذا جو افراد دینی جذبے اور اعلیٰ نظریہ کے تحت برسرپیکار ہوں اور اسے دین و ملت کیلئے بہتر خیال کرتے ہوں، وہ اس حدیث کی وعید کے مستحق نہیں ہیں، حدیث کے مصداق صرف وہ لوگ ہیں جو بلاوجہ ناحق، ظلم و جور اور گروہی بالادستی کے ارادہ سے لڑیں، حضرت علی اور حضرت عائشہ یا حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کے مابین خدانخواستہ ذاتی یا گروہی انتقام کا کوئی جذبہ کارفرما نہیں تھا، بلکہ دونوں فریق اجتہادی رائے کی بنیاد پر ہی صف آرا ہوئے تھے اور اپنے اپنے خیال میں دونوں حق پر تھے(۱۰۳) اس لئے ان پر اپنی رائے کا اتباع ضروری تھا کیونکہ مجتہد جب اپنے اجتہاد کے ذریعے کسی نتیجہ پر پہنچ جائے تو اس پر اسکا عمل ضروری ہوتا ہے اور اس موقع پر حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے پیش کردہ حدیث محض اس مصلحت پر مبنی تھی کہ مخاطب حدیث کے ظاہری مفہوم کے پیش نظر عملی اقدام سے رک جائے، چنانچہ حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ جنگ جمل میں تو شریک نہیں ہوئے لیکن وہ اس سے بخوبی واقف تھے، کہ

Marfat.com

حضرات صحابہ کے باہمی "مشاجرات" اس حدیث کا موضوع نہیں ہیں اس لئے جنگ صفین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جانب سے شریک ہوئے۔

جنگ جمل اور جنگ صفین میں مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی کا اس حوالہ سے بھی جائزہ لیا جانا چاہیئے کہ کسی بھی انقلاب کی تکمیل کے بعد اس کے برپا کرنے والوں میں آئندہ کے لائحہ عمل کیلئے اختلاف رائے کا ہونا ناگزیر ہوتا ہے، عام حالات میں اس کا فیصلہ استصواب رائے سے ہوتا ہے لیکن غیر معمولی حالات میں جبکہ معاشرے کا ہر شخص شمشیر بند بھی ہو، فیصلہ میدان جنگ میں ہی ہوتا ہے اور یہی کچھ ان جنگوں میں ہوا(۱۰۴) اس لئے محض تاریخی حوالوں سے نہ تو کسی صحابی رسول پر طعن و تشنیع کی گنجائش ہے اور نہ ہی اس سلسلے میں معذرت خواہانہ رویہ اپنانے کی ضرورت ہے۔

حدثنا سليمان بن حرب قال: حدثنا شعبة عن واصل الاحدب عن المعرور قال: لقيت أباذر بالربذة و عليه حلة و على غلامه حلة فسألته عن ذلک؟ فقال: انى سابيت رجلا فعيرته بأمه فقال لى النبى صلى الله عليه وسلم: يا اباذر اعيرته بأمه، انک امرؤ فيک جاهلية اخوانكم خولكم جعلهم الله تحت ايديكم فمن كان أخوه تحت يده فليطعمه مما يأكل و يلبسه مما يلبس و لاتكلفوهم مايغلبهم فان كلفتموهم فأعينوهم)

ترجمہ: معرور کہتے ہیں میں ابوذر رضی اللہ عنہ سے ربذہ میں ملا وہ ایک جوڑا پہنے تھے اور ان کا غلام بھی (ویسا ہی) ایک جوڑا پہنے تھا میں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی انہوں نے میں نے ایک شخص سے گالی گلوچ کی اس کو اس کی ماں کی وجہ سے عار دلائی آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا اے ابوذر کیا تم نے اس کو اسکی ماں کی وجہ سے عار دلائی؟ تو وہ آدمی ہے جس میں جاہلیت کی خصلت ہے۔ تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں، اللہ نے ان کو تمہارے ماتحت کر دیا جس کا بھائی اس کے ماتحت ہو وہ اس کو وہی کھلائے جو آپ کھائے اور وہی پہنائے جو آپ

Marfat.com

پہنے اور ان سے وہ کام نہ لو جو ان سے نہ ہوسکے اگر ایسا کام لینا چاہو تو ان کی مدد کرو۔

توضیح: معرور کا کہنا ہے کہ وہ ربذہ (مدینہ منورہ سے تین مرحلوں کے فاصلے پر واقع ایک چھاؤنی جس میں ہزاروں گھوڑے ہوتے تھے) میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے ملے وہ ایک حلہ زیب تن کئے ہوئے تھے اور ان کا غلام بھی ایک حلہ پہنے ہوئے تھا، (حلہ بدن کے بالائی اور زیریں حصوں پر استعمال ہونے والی چادروں پر مشتمل ہوتا ہے) بظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کا لباس یکساں تھا لیکن دیگر روایات میں اس کی وضاحت موجود ہے کہ پورا جوڑا یکساں نہیں تھا بلکہ یکساں نوعیت کا ایک کپڑا حضرت ابوذر غفاری کے جسم پر تھا اور دوسرا ان کے غلام پر تھا(۱۰۵) لباس کی اس کیفیت کے بارے میں معرور نے دریافت کیا تو انہوں نے اس کا پس منظر بتایا کہ ماضی میں انہوں نے ایک مرتبہ ایک شخص (حضرت بلال یا حضرت عمار رضی اللہ عنہما) کو برا بھلا کہا تھا اور اسے اس کی ماں کے حوالے سے شرمندہ کیا (کہ یوں مخاطب کیا او باندی کے بچے) اس پر رسول اکرم ﷺ نے اظہار ناراضگی فرمایا اور کہا تم میں اب بھی جاہلیت کی باتیں چلی آتی ہیں پھر نصیحت کی کہ تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ اللہ تعالی نے انہیں تمہاری زیر نگرانی کردیا ہے لہذا سختی سے اجتناب کیا جائے، مزید فرمایا کہ جو خود کھاؤ وہ ان کو کھلاؤ اور جو پہنو وہ ان کو پہناؤ اور دشوار کام ان کے ذمہ نہ ڈالو اور کسی مشکل کام کی تکلیف دو تو خود مدد کرو، آپ کا مقصد یہ تھا کہ ان کے ساتھ مواساۃ اور ہمدردی کا برتاؤ کیا جائے اور باہمی تعاون سے معاشرتی زندگی بسر کی جائے۔

حضرت ابوذر غفاری اس واقعہ کے حوالے سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ غلام کے ساتھ تعاون اور مساوات کے رویہ کے پیش نظر انہوں نے حلہ (جوڑا) کو تقسیم کردیا اور اپنا لباس مکمل نہیں کیا۔

حدیث میں غلام کا تذکرہ ہوا ہے تو یہ ذکر مناسب ہوگا کہ اسلام میں جنگی قیدیوں سے متعلق حکومت کو جو اختیارات حاصل ہیں، ان کے تحت وہ انہیں سزائے موت

Marfat.com

دے سکتی ہے، معاوضہ لیکر یا بلامعاوضہ رہا کرسکتی ہے اور انہیں معاشرے کی ابتدائی اکائی یعنی خاندان میں مقید کرکے عمر قید کی سزا دے سکتی ہے اور اس آخری صورت کو "غلامی" بھی کہا جاتا ہے لیکن واضح رہے کہ اس غلامی کا یورپ کے غلام دارانہ سماج سے کوئی حقیقی مشابہت اور مناسبت نہیں کیونکہ مسلم ادوار حکومت میں کبھی بھی غلاموں کی محنت کے استحصال پر مبنی معاشی نظام قائم نہیں کیا گیا بلکہ اس کے برعکس اموی دور سے ہی نوے فیصد "غلام" علمی مراکز کے سربراہ بن گئے اور پھر وہ دور بھی آیا کہ برعظیم ہندوپاک میں خاندان غلاماں کی حکومت قائم ہوئی جبکہ غلام دارانہ سماج میں کسی غلام کے علمی یا سیاسی قائد ہونے کا تصور ہی محال ہے۔

مزید برآں اسلام نے جنگی قیدی کو غلام بنانے کی محض اجازت دی ہے اس کا پابند نہیں کیا ہے، اس لئے جنگی قوانین کی ترتیب و تدوین معروضی حالات پر منحصر ہے، ابتدائی دور میں غیر تحریری مگر عالمگیر قانونِ جنگ یہی تھا کہ گرفتار شدگان کو غلام بنالیا جائے اور اس دور میں اس قانون سے مفر بھی نہیں تھا، اس کے باوجود اسلام نے غلامی کی ہیئت ہی تبدیل کردی جیسا کہ حدیث بالا سے ظاہر ہے(۱۰۶)

چونکہ غلامی کا دور بیت گیا ہے لہذا "خول" کے ضمن میں وہ افراد آجاتے ہیں جو انتظامی لحاظ سے کسی زیر نگراں ہوں، حدیث میں ان کو برا بھلا کہنے اور ان کے والدین کے حوالے سے عار دلانے کی ممانعت کے علاوہ ان کے ساتھ حسن سلوک اور نرم خوئی کے برتاؤ پر زور دیا گیا ہے لہذا کسی کے لئے درست نہیں کہ وہ دوسرے کو اس کی ذاتی یا خاندانی کمزوری پر عار دلائے نیز کسی انسان سے خواہ اسکی مادی حیثیت کم ہی ہو، اپنے آپ کو برتر نہ سمجھا جائے۔

ظلم کے درجات

باب ظلم دون ظلم

"کفر دون کفر" کی طرح "ظلم دون ظلم" بھی حضرت عطاء بن ابی رباح کے کلام کا جزو ہے اور امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ کفر کی طرح ظلم میں بھی درجات اور مراتب ہیں اور یہ مقصد حدیث سے بھی ثابت ہے کہ آیت میں شرک پر "ظلم عظیم" کا اطلاق کیا گیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی کم درجہ کا ظلم بھی ہے یعنی جس کا مرتبہ شرک سے کم ہو، نیز ظلم میں درجات مشاہدہ کا حصہ ہیں۔

ظلم کا لغوی مفہوم یہ ہے کہ کسی چیز کو اس کی مختص کردہ مقام یا وقت سے ہٹادینا یا اس میں کوئی کمی و بیشی کرنا، اس کی تین اقسام ہیں۔

۱۔ انسان کا اللہ تعالی کے حق میں ظلم، جیسے اللہ کا انکار، کسی کو اس کا شریک بنانا، اللہ پر جھوٹ باندھنا یا اس کی جانب کسی ایسے امر کی نسبت جو اس کے شایان شان نہ ہو۔

۲۔ انسانوں کا باہمی ظلم جیسے کسی کے حقوق غصب کرنا، استحصال کرنا، جبر و استبداد مسلط کرنا، دھوکہ دہی کا ارتکاب گالی گلوچ وغیرہ۔

۳۔ اپنے نفس کے ساتھ ظلم یعنی انسان کوئی ایسا کام کرے کہ نتیجہ میں خود اسی کا نقصان ہوا اور جہاں ظلم کی پہلی دو نوعیتیں ہوں گی وہاں تیسری قسم ضرور ہوگی یعنی ہر گناہ میں ذاتی نقصان ضرور ہوتا ہے(۱۰۷)

حدثنا ابوالوليد قال: حدثنا شعبة قال: و حدثني بشر قال: حدثنا محمد، عن شعبة، عن سليمان، عن ابراهيم، عن علقمة، عن عبد الله قال، لما نزلت الذين آمنوا و لم يلبسوا ايمانهم بظلم، قال اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم:

Marfat.com

اینا لم یظلم فأنزل اللہ ان الشرک لظلم عظیم.

ترجمہ: عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جب (سورۂ انعام کی) یہ آیت اتری جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان میں گناہ کی ملاوٹ نہیں کی تو آنحضرت ﷺ کے اصحاب نے کہا (یا رسول اللہ ﷺ یہ تو بڑی مشکل ہے) ہم میں کون ایسا ہے جس نے گناہ نہیں کیا تب اللہ نے (سورۂ لقمان کی) یہ آیت اتاری شرک بڑا ظلم ہے۔

توضیح: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب سورۂ انعام کی آیت نمبر ۸۲ نازل ہوئی کہ "جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ایمان کے ساتھ ظلم کی آمیزش نہیں کی انہی کیلئے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں" تو صحابہ کرام کو یہ خیال شاق گزرا کہ آیت کے مصداق تو صرف وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے ایمان کو کسی قسم کے ظلم (گناہ) سے آلودہ نہیں کیا کیونکہ عربی نحو (گرامر) کا یہ قاعدہ ہے کہ جب نکرہ، نفی کے سیاق اور پس منظر میں وارد ہو تو وہاں عموم مقصود ہوتا ہے، چنانچہ انہوں نے عرض کیا کہ ہم میں سے کس نے ظلم نہیں کیا کیونکہ انسان سے کوئی نہ کوئی گناہ سرزد ہو ہی جاتا ہے، معصوم تو صرف انبیاء علیہم السلام ہوتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ نے اس شبہ کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ظلم کا وہ مفہوم نہیں جو سمجھا جارہا ہے بلکہ اس سے مراد شرک ہے جیسا کہ حضرت لقمان نے اپنے صاحبزادے سے کہا کہ شرک ہی "ظلم عظیم" ہے۔

یہاں حدیث میں سورۂ لقمان کی آیت نمبر ۱۳ کے ساتھ نزول کا لفظ مذکور ہے، اسکا مفہوم یہ نہیں ہے کہ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی بلکہ نزول کا مفہوم یہ ہے کہ آپ نے اس آیت کو بطور دلیل کے پیش کیا(۱۰۸)

علاوہ ازیں زیر بحث آیت میں بھی ایک قرینہ ہے کہ "لبس" کا لغوی معنی یہ ہے کہ ایک ظرف میں دو اشیاء کا باہمی اس طرح مل جانا کہ ان میں امتیاز قائم نہ رہے(۱۰۹) لہذا یہاں اس لفظ کے ذکر سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ ایمان اور ظلم دونوں ایک محل اور ظرف میں ہوں گے، جب ایمان کا محل اور ظرف قلب ہے تو ظلم

سے مقصود وہی ظلم ہوگا جس کا محل دل ہو اور ایسے ظلم کا نام شرک ہے۔

لہذا آیت مبارکہ کا مفہوم یہ ہوا کہ وہی لوگ مامون اور ہدایت یافتہ ہیں جن کو اس امر کا یقین ہے کہ اللہ تعالی موجود ہے، وہی خالق اور معبود حقیقی ہے اور وہی سب سے بڑا ہے اس طور پر کہ اس یقین و اذعان کے ساتھ کسی قسم کی شرک کی ملاوٹ نہ ہو مثلاً اس قسم کا عقیدہ نہ ہو کہ اللہ تعالی تو سب سے بڑا ہے لیکن اس کے ماتحت ریاستی حکام کی مانند کچھ چھوٹے چھوٹے معبود بھی ہیں جن کو تکوینیات میں کسی درجہ دخل دینے کا مستقل اختیار حاصل ہے (جیسے مشرکین مکہ کا عقیدہ تھا) یا اللہ تعالی کے بارے تو عقیدہ درست ہو لیکن تشریع اور اصول سازی میں کسی کے لئے مستقل اختیار ثابت کیا جائے۔ جیسا کہ یہود و نصاری، اپنے احبار و رہبان یعنی علماء سوء اور مشائخ باطل کو اس قسم کے اختیارات کا مالک تصور کرتے تھے یا آج کل اکثر ممالک میں بے لاگ قانون سازی کے اختیارات چند افراد پر مشتمل مجلس یا پارلیمنٹ کو تفویض ہوتے ہیں یا کوئی فرد یا طبقہ طاقت کے بل بوتے پر یہ اختیارات حاصل کرلیتا ہے۔

منافق کی نشانیاں
باب علامات المنافق

امام بخاری یہ بتارہے ہیں کہ ایمان، کفر اور ظلم کے درجات کی مانند نفاق میں بھی درجات ہیں چنانچہ حدیث میں اس کی علامات ذکر کی گئی ہیں کہ جس فرد یا معاشرے میں یہ علامات زیادہ اور پختہ ہوں گی وہ منافق کامل اور جس میں کم یا خام ہوں گی وہ منافق ناقص ہوگا۔ نفاق کا معنی ہے شریعت میں ایک راستہ سے داخل ہونا اور دوسرے سے نکل جانا، یہ لفظ "نافقاء" سے لیا گیا ہے اور یہ گوہ کے سوراخوں میں سے اس سوراخ کو کہتے ہیں جو وہ اس لئے پوشیدہ بناتی ہے کہ آڑے وقت نکلنے اور جان بچانے کے لئے موقع میسر رہے (۱۱۰) جبکہ کھلے سوراخ کو "قاصعاء" کہتے ہیں (۱۱۱)۔

مومن کیلئے اس سے بڑھ کر اور نقصان کیا ہوگا کہ وہ ان افعال قبیحہ اور معاشرتی خرابیوں کی وجہ سے زمرۂ منافقین میں شامل ہوجائے گویا ایمان کیلئے منافقانہ رویہ اور کردار خالی از خطرہ نہیں تاہم ان کبیرہ گناہوں کے ہوتے ہوئے بھی نہ نہیں کہا گیا کہ ایسے افراد پر ایمان کی تجدید لازم ہے بلکہ ان قباحتوں کا ترک اور خرابیوں کا انسداد ہی نفاق سے مبرا ہونے کیلئے کافی ہے۔

حدثنا سليمان ابوالربيع: قال: حدثنا اسماعيل بن جعفر قال: حدثنا نافع بن مالک بن ابی عامر ابوسهيل عن ابيه عن أبی هريرة عن النبی صلی الله عليه وسلم قال: (آية المنافق ثلاث: اذا حدث كذب و اذا وعد اخلف و اذا اؤتمن خان)

ترجمہ: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کہے جھوٹ کہے اور جب وعدہ کرے خلاف کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھیں خیانت کرے۔

حدثنا قبيصة بن عقبة قال: حدثنا سفيان، عن الاعمش، عن عبدالله بن مرة، عن مسروق، عن عبدالله بن عمرو ان النبی صلی الله عليه وسلم قال (أربع من كن فيه كان منافقا خالصا، و من كانت فيه خصلة منهم كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها: اذا اؤتمن خان، و اذا حدث كذب، و اذا عاهد غدر، و اذا خاصم فجر) تابعه شعبة عن الاعمش.

ترجمہ: عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا چار باتیں جس میں ہوں گی وہ تو خالص منافق ہوگا اور جس میں ان چاروں میں سے کوئی ایک بات ہوگی اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی جب تک وہ اس کو چھوڑ نہ دے جب اس کے پاس امانت رکھیں تو خیانت کرے اور جب بات کہے جھوٹ کہے اور جب عہد کرے دغا کرے اور جب جھگڑے تو حدود سے باہر نکل آئے۔

توضیح: پہلی حدیث میں نفاق کی تین اور دوسری حدیث میں چار خصلتیں بیان کی گئی ہیں گویا کسی عدد میں حصر مقصود نہیں ہے اور نفاق کی یہ خصلتیں اس وقت علامات نفاق کی قرار پائیں گی جب یہ امور مستقل معاشرتی رویہ اور عادت بن جائیں دونوں احادیث کی رو سے نفاق کی علامات پانچ ہیں (۱) کذب اور جھوٹ (۲) خیانت (۳) وعدہ خلافی (۴) عہد شکنی (۵) فجور یعنی گالی گلوچ پر اتر آنا۔

وعدہ خلافی سے متعلق امام غزالی نے یہ تفصیل رقم کی ہے کہ اگر وعدہ کرتے وقت ہی نیت، ایفاء کی نہیں تھی اور محض دھوکا دینا مقصود تھا تو یہ حرام کے ارتکاب کی مانند ہے جس کو (مکروہ تحریمی) کہتے ہیں اور اگر اس وقت ارادہ تو وعدہ نبھانے کا تھا لیکن غفلت اور تساہل کی وجہ سے وعدہ پورا نہ ہوسکا یہ ناپسندیدہ عمل (مکروہ تنزیہی) ہے اور اگر وعدہ کے ایفاء کی نیت کے ساتھ اس میں کسی قسم کی ذاتی کوتاہی کو دخل نہ ہو اور کسی عذر یا رکاوٹ کی وجہ سے وعدہ کا ایفاء تشنۂ تکمیل رہا تو اس صورت میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ یہ تفصیلات کسی کار خیر کے وعدہ کے ایفاء نہ ہونے کی صورت میں ہے جس کو "اخلاف وعد" کہا جاتا ہے۔ جبکہ کسی کو دھمکی یا وعید سنا کر اس کی خلاف ورزی کرنا "اخلاف ایعاد" کہلاتا ہے، اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر وہ کوئی ناجائز اور ناروا فعل ہو تو اس سے پہلو تہی کرنا واجب اور ضروری ہے اور اگر وہ امر جائز ہو اور اس کے ترک میں کسی فساد کا اندیشہ نہ ہو تو اسے ترک کرنا مستحب اور مستحسن ہے (۱۱۲)

جہاں تک عہد شکنی کا تعلق ہے تو وہ بالکل حرام اور ناجائز ہے بشرطیکہ عہد بذات خود درست ہو عہد جانبین سے ہوتا ہے اور وعدہ ایک جانب سے ہوتا ہے عہد پورا نہ کرنے کو غدر اور وعدہ خلافی کو خلف وعد کہا جاتا ہے (۱۱۳)

نفاق، ظاہر و باطن میں عدم یکسانیت اور ان میں باہمی تعارض کا نام ہے، اس مخالفت کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ باطن تو فاسد عقائد، ناپاک عزائم، کفر و عناد اور عداوت و دشمنی کا آئینہ دار ہو مگر ایسا شخص بظاہر اسلامی اعمال بجالاتا ہو جیسا کہ زمانہ نبوی کے منافقین کی حالت تھی، اسکو "نفاق اعتقادی" کہا جاتا ہے اور یہ بدترین کفر ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ باطن تو درست ہے یعنی عقائد صحیح اور خیالات درست ہیں

Marfat.com

لیکن ظاہری حالت ناقابل رشک ہے مثلاً طرز عمل اور سماجی رویہ ناپسندیدہ اور غلط ہے، اسکو "نفاق عملی" کہا جاتا ہے۔ یہ گو کفر نہیں، فسق ضرور ہے تاہم بسااوقات یہ نفاق اس قدر شدید ہوتا ہے کہ بد عملی کی وجہ سے خیالات و نظریات میں بھی کجی پیدا ہوجاتی ہے۔

امام شاہ ولی اللہ ایمان، فسق اور نفاق کے موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کی بعثت تمام انسانیت کیلئے عام تھی اس لئے آپ کے دین میں ہر قسم کے لوگ داخل ہوئے چنانچہ ان میں باہمی امتیاز کی ضرورت محسوس ہوئی اس لئے آپ نے ایمان کی اقسام بیان کیں کہ وہ ایمان جس پر ابدی کامیابی کا دارومدار ہے وہ ہر قسم کے درست عقائد، نیک اعمال اور نیکی کرنے کی عادت اور بھلائی کے رویہ جسے "ملکہ" کہتے ہیں (جو صالح معاشرتی ماحول سے پیدا ہوتا ہے) پر مشتمل ہے اور اگر اس میں قلبی تصدیق نہیں ہے بلکہ نظام اور قانون کے دباؤ سے اطاعت اور فرمانبرداری ہے تو وہ "نفاق خالص" ہے اور اگر تصدیق قلبی موجود ہے لیکن اعمال اس سے ہم آہنگ نہیں ہیں تو وہ "فسق" ہے اور اگر دل میں کھوٹ، بدنیتی اور اخلاق کا فقدان ہے تو یہ اور طرح کا نفاق ہے جس کو "نفاق عمل" بھی کہا گیا ہے، اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ طبیعت یا رسم (نظام وغیرہ) یا عقیدۂ بد کا حجاب انسان پر غالب آجاتا ہے اور وہ مال و زر، دنیوی ساز و سامان، خاندان اور اولاد کی محبت میں ہی مگن ہوجاتا ہے جس کی بناء پر اس کے دل میں جزا و سزا کو دور از کار سمجھنے اور گناہوں پر جرأت کا ایک نامعلوم جذبہ پیدا ہوجاتا ہے گو وہ از روئے دلیل قابل اعتراف امور کا اقرار بھی کرتا ہے، گویا فسق اور نفاق عمل میں فرق یہ ہے کہ اگر گناہ انسان کی عادت، طبیعت ثانیہ اور مستقل رویہ بن جائیں تو وہ نفاق عمل ہے بصورت دیگر فسق (۱۱۴)

ان احادیث میں جن معاشرتی خرابیوں کو علامات نفاق قرار دیا گیا ہے وہ درحقیقت سرمایہ پرستی اور جاہ طلبی کا شاخسانہ ہیں کہ جب کوئی شخص یا گروہ اپنی تمام تر دلچسپیوں کا مرکز مال و زر یا جاہ و اقتدار کو بنالیتا ہے تو پھر یقیناً جھوٹ، وعدہ خلافی، خیانت، منفی پروپیگنڈے اور دیگر ناجائز ذرائع سے اپنے مفادات کا حصول ہی اس کا

Marfat.com

مقصد قرار پاتا ہے اور اس کا مشاہدہ گردوپیش کے ماحول میں بخوبی کیا جاسکتا ہے کہ آج معاشرے کے بالادست طبقوں اور ان کی ریس کرنے والوں کے ہاں یہ معاشرتی خرابیاں کاروباری اصول تصور کی جاتی ہیں اور پھر ان اصولوں کو اس قدر کثرت سے سیاست، معیشت، معاشرت حتی کہ مذہبی معاملات میں بروئے کار لایا جاتا ہے کہ ان کے خلاف صدائے حق معاشرے میں اجنبی محسوس ہوتی ہے۔ بلکہ بسااوقات دقیانوسیت اور رجعت پسندی خیال کی جاتی ہے لیکن اسلام کی نظر میں یہ نفاق، موقع پرستی، سرمایہ اندوزی اور انسانیت دشمنی پر مبنی رویہ ہے اور اس کا خاتمہ ہی معاشرے کو حقیقی ترقی سے ہمکنار کرسکتا ہے۔

شب قدر کا قیام

باب قیام لیلۃَ القدر من الایمان

گزشتہ ابواب میں "باب افشاء السلام" ایمانیات سے متعلق آخری باب تھا جس میں سلام کا تذکرہ تھا جبکہ باب ہذا میں شب قدر کا ذکر ہے جس میں فرشتے سلام کی اشاعت یعنی ہر مصروف عبادت کو سلام کرتے ہیں، علاوہ ازیں باب گزشتہ میں علاماتِ نفاق کے ذکر سے علامت ایمان و اخلاص بھی واضح ہوجاتی ہے کہ صاحب ایمان وعدہ کا ایفاء کرنے والا، سچا، دیانتدار، عہد پورا کرنے والا اور شائستہ رویہ کا حامل ہوتا ہے۔

حدثنا ابو اليمان قال: اخبرنا شعيب قال: حدثنا ابوالزناد عن الاعرج عن ابى هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم (من يقم ليلة القدر ايمانا و احتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه)

ترجمہ: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص شب قدر میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت کرکے قیام (عبادت) کر

Marfat.com

ے اس کے اگلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

توضیح: ایمان و احتساب کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ پر ایمان اور حصول اجر کا خیال عین عمل کے وقت محرک اور باعث ہوں یعنی محض ذاتی عادت یا معاشرتی رسم کے طور پر عمل نہ ہو(۱۱۵) اس سے معلوم ہوا کہ دین، معاشرتی رسومات سے بالا ایک حقیقت ہے اور اسی طور پر اس کا غلبہ مقصود ہے واضح رہے دین معاشرتی رسوم پر اثرانداز تو ہوتا ہے لیکن ان کا بالکلیہ انکار نہیں کرتا۔

شب قدر کے بارے میں قرآن حکیم نے وضاحت کی ہے کہ وہ رمضان شریف میں ہے جبکہ صحیح احادیث میں تلقین ہے کہ اسے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کیا جائے۔

قدر اگر تقدیر سے ہے تو اس رات سے وہ رات مراد ہے جس میں ملائکہ کو اس سال میں پیش آمدہ واقعات کا علم دیا جاتا ہے، علاوہ ازیں قدر کے معنی عزت کے بھی آتے ہیں تو مفہوم ہوگا وہ رات جس میں عبادت کرنے والوں کو عزت ملتی ہے یا وہ رات جس میں عبادت، دیگر راتوں سے متعلقہ عبادت کے مقابلے میں بہت قدر و منزلت رکھتی ہے، مزید برآں لغت میں قدر کے معنی تنگی کے بھی آتے ہیں کہ اس رات فرشتوں کے کثرت سے نازل ہونے کی وجہ سے زمین تنگ ہوجاتی ہے(۱۱۶)

شب قدر کی اہم ترین فضیلت یہ ہے کہ اس رات لوح محفوظ سے آسمان دنیا میں اس کتاب حکیم کا نزول ہوا جس میں حدیث نبوی کے مطابق "گزشتہ اقوام کے حالات اور آئندہ کی خبریں ہیں، جو لوگوں کے باہمی تنازعات کا عدل و انصاف کے مطابق دوٹوک فیصلہ کرنے والی ہے، جو اسے از راہ تکبر ترک کرے گا اور اس سے روگردانی کرے گا تو اللہ اس کا قلع قمع کردے گا اور جو اس کے علاوہ ہدایت تلاش کرے گا وہ گمراہ ہوگا۔ وہ خدا کی مضبوط رسی، پر حکمت نصیحت اور راہ مستقیم ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جس کی وجہ سے خواہشات کجروی میں نہیں لے جاسکتیں، نہ اس کے ساتھ دیگر زبانیں (باتیں) خلط ملط ہوسکتی ہیں نہ اس سے اہل علم سیر ہوسکتے ہیں (کہ انہیں اسکی ضرورت نہ رہے) نہ زیادہ دہرانے سے یہ پرانی ہوگی (کہ اکتاہٹ پیدا ہو) نہ اس کے

Marfat.com

عجائبات ختم ہوں گے۔ یہ وہی کتاب ہے کہ جنات نے جب اس کو سنا تو یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو بھلائی کی جانب رہنمائی کرتا تو اس پر ہم ایمان لے آئے ہیں۔ جس نے اس کی بنیاد پر گفتگو کی اس نے سچائی کا اظہار کیا، جس نے اس کے مطابق انفرادی و اجتماعی زندگی تشکیل دی اسے اسکا اجر اور فائدہ حاصل ہوگا اور جو اس کی روشنی میں فیصلہ کرے گا وہ انصاف کرے گا اور جو اس کی جانب دعوت دے گا، اسے درست راہ کی ہدایت نصیب ہوگی۔(۱۱۷)

مزید برآں شب قدر کی عبادت کو ایک ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل اور بہتر قرار دیا گیا ہے کہ اس امت کے افراد کی عمریں چونکہ گزشتہ امتوں کے لوگوں کی عمروں سے کم ہیں اس لئے یہ امت زیادہ فضل و عنایت کی مستحق ہے۔

اس رات میں حضرت جبرئیل بے شمار فرشتوں کے ہمراہ زمین پر اتر کر نیکوکاروں کے لئے تمام رات سلامتی کی دعائیں کرتے رہتے ہیں اور یوں اس رات کو روحانی اعتبار سے بہت بڑا مقام حاصل ہے۔

اس رات میں یوں تو ہر جائز دعاء مانگنی چاہیئے لیکن حدیث نبوی میں "اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی" کو افضل قرار دیا گیا ہے کہ اس میں انسان اپنی انفرادی و اجتماعی کوتاہیوں پر نادم ہو کر معافی کا خواستگار ہوتا ہے تاکہ وہ آئندہ نئے جذبہ کے ساتھ اعمال خیر بجالاسکے(۱۱۸)

جہاد اور ایمان
باب الجهاد من الایمان

امام بخاری حسب سابق اعمال کے جزو ایمان ہونے کے نظریئے کے تحت جہاد کے بھی جزو ایمان ہونے کا ذکر کر رہے ہیں نیز جہاد کو قیام رمضان اور قیام لیلتہ القدر کے ابواب کے مابین ذکر کر کے اس امر کی جانب اشارہ کر رہے ہیں کہ دشمنان دین

Marfat.com

کے خلاف کا دارومدار نفس سے جہاد پر ہے کہ انسان اگر مرضیات الٰہی کا تابع فرمان ہے اور اسے نفس کی ترغیبات اور جذبات کی کشش پر کنٹرول ہے تو کفار سے جہاد کرنا اس کے لئے سہل ہے(۱۱۹) چنانچہ مولانا ابوالکلام آزاد ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "انسان کے لئے سب سے بڑی آزمائش جذبات ہی کی آزمائش ہوتی ہے، وہ سمندر کی موجوں سے ہراساں نہیں ہوتا، پہاڑ کی چٹانوں سے نہیں گھبراتا، آسمان کی بجلیوں سے نہیں لرزتا، درندوں کے مقابلے سے منہ نہیں موڑتا، تلواروں کے سائے میں کھیلنے لگتا ہے لیکن نفس کی ایک چھوٹی سی ترغیب اور جذبات کی ایک ادنی سی کشش کا بھی مقابلہ نہیں کرسکتا"(۱۲۰)

لیکن اگر مجاہدۂ نفس کے اعمال میں مشغولیت و مصروفیت دشمنان دین کے خلاف جہاد کے عمل میں رکاوٹ بننے لگ جائے تو اس صورت میں اہل باطل کے خلاف جہاد کا عمل بہر صورت مقدم ہوگا، اور ایسے موقع پر جہاد سے پہلوتہی کرکے دیگر اعمال خیر میں منہمک رہنا بھی ازروئے قرآن حکیم ایک گونہ دنیا سے محبت، خودغرضی اور کفر سے خوف زدہ اور ظلم کے سامنے ہتھیار ڈالنے کی ذلت کے مترادف ہے جو کسی بھی طرح مسلم معاشرے کے لئے قابل قبول نہیں ہوسکتی(۱۲۱) چنانچہ واقعہ ہے کہ جنگ یرموک کے زمانے میں جب ہرقل نے مسلمانوں پر فوج کشی کی تدابیر اختیار کیں اور خلیفۂ راشد فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے کیلئے ایک اسلامی لشکر تیار کررہے تھے تو انہوں نے مسجد نبوی میں ایک مسلمان کو مراقبے میں مستغرق دیکھ کر لاٹھی سے اس کی خبر لی اور کہا مسلمانوں کی تباہی کے سامان کئے جارہے ہیں اور تم اپنے نفس کی خاطر مراقبے میں ڈوبے ہوئے ہو(۱۲۲) چنانچہ یہی سبب ہے کہ ماضی قریب میں جب برعظیم ہند میں امام شاہ ولی اللہ کے جانشین شاہ عبدالعزیز دہلوی کی نگرانی میں تحریکات حریت کا آغاز ہوا تو تحریک مجاہدین کی زمام کار سید احمد شہید کے ہاتھوں میں آئی، آپ ابتداء ہی سے متصوفانہ مزاج رکھتے تھے۔ لیکن اس مرحلہ پر آپ کا کیمپ فوجی تربیت گاہ بن گیا اور جو وقت مشاغل صوفیاء یعنی ذکر و مراقبہ میں صرف ہوتا تھا، فنون حرب اور فوجی پریڈ میں صرف ہونے لگا، یہ تبدیلی کچھ لوگوں کو اوپری معلوم ہوئی چنانچہ ایک وفد

نے خاص طور پر سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا اشکال پیش کیا، آپ نے فرمایا کہ یہ سپاہیانہ کرتبوں کی مشق بظاہر مادی چیز ہے مگر اس کا مقصد (گروہی) نفع اندوزی یا ذاتی سربلندی نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد خدمت خلق، مظلوموں کی ہمدردی، اعلیٰ اور بلند مقاصد کے لئے اپنے آپکو قربان کردینا ہے، تصوف، سلوک اور فقیرانہ زندگی کی اصل روح یہی ہے، جو تصوف اس روح سے محروم ہو وہ اکارت ہے پس ان چیزوں میں مشغول رہنا مادیت پرستی نہیں ہے بلکہ حقیقی روحانیت اور علی قسم کا تصوف ہے، آپ نے مزید تشفی کے لئے قافلہ جہاد میں شامل حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتی کا حوالہ دیا جو اس زمانہ کے بلند پایہ صوفی تھے اور ان کے ہزاروں مرید تھے چنانچہ شاہ صاحب نے اس موقع پر فرمایا:

"سید صاحب کو دیکھ میں نے اپنے تمام مریدوں سے کہہ دیا تھا کہ اب روحانی کامیابی کا راستہ صرف وہی ہے جو سید صاحب اختیار کئے ہوئے ہیں، یہی راستہ اختیار کرو اور سید صاحب سے بیعت ہوجاؤ چنانچہ تم دیکھتے ہو، میں خانقاہ کی پُرسکون زندگی ترک کرکے قافلہ کے ساتھ لگا ہوا ہوں، کہاں وہ آرام و سکون جو خانقاہ میں میسر تھا اور کہاں یہ زحمت و تکلیف کہ اینٹیں پاتھتا ہوں، دیواریں تعمیر کرتا ہوں، گھاس چھیلتا ہوں، لکڑی چیرتا ہوں، مگر جو خیر و برکت اور روحانی اطمینان اس میں میسر ہے خانقاہی زندگی میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں تھا" (۱۲۳)

حدثنا حرمی بن حفص قال: حدثنا عبد الواحد قال: حدثنا عمارة قال: حدثنا ابوزرعة بن عمرو بن جرير قال: سمعت أباهريرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: (انتدب الله لمن خرج فی سبيله لايخرجه الا ايمان بی و تصديق برسلی أن أرجعه بما نال من اجر او غنيمة او ادخله الجنة و لو لا ان اشق علی امتی ما قعدت خلف سرية و لوددت انی اقتل فی سبيل الله ثم احيا ثم اقتل ثم احيا ثم اقتل)

ترجمہ: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا (اللہ

تعالی ارشاد فرماتا ہے) جو شخص میری راہ میں (یعنی جہاد کے لئے) اس حال میں نکلے کہ اس کو (اس کے گھر سے) اسی بات نے نکالا ہو کہ وہ مجھ پر ایمان رکھتا ہے اور میرے پیغمبر کو سچا جانتا ہے (اور کسی بات نے (جیسے ناموری یا مال غنیمت کے حصول کی خواہش نے نہیں) تو میں اس کے لئے یہ ذمہ لیتا ہوں یا تو اسکو (جہاد) کا ثواب اور غنیمت کا مال دیکر (زندہ مع الخیر اسکے گھر کو) لوٹادوں گا یا (اگر وہ شہید ہو تو) اس کو بہشت میں لے جاؤں گا (آنحضرت ﷺ نے فرمایا) اگر میری امت پر شاق نہ ہوتا تو میں ہر لشکر کے ساتھ جو جہاد کو جاتا نکلتا اور مجھے تو یہ آرزو ہے کہ اللہ کی راہ میں مارا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر مارا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر مارا جاؤں۔

فائدہ: حدیث بالا میں مذکور "من اجر او غنیمتہ" کی عبارت دراصل "من اجر فقط او اجر غنیمتہ" ہے چونکہ "اجر" کے لفظ کا تکرار تھا، اس لئے معطوف "اجر" کو محذوف کردیا گیا کہ اختصار کے پیش نظر ایسے مواقع پر اکثر حذف کا عمل کیا جاتا ہے (۱۲۴) لہذا حدیث کا مفہوم یہ ہوا کہ مجاہد کو بہر صورت اجر ملتا ہے، کبھی مال غنیمت بھی مل جاتا ہے۔

توضیح: جو شخص اللہ کے راستے میں جہاد کے لئے نکلے اور اس کے نکلنے کا باعث اللہ پر ایمان اور اس کے رسولوں کی تصدیق کے سوا اور کچھ نہ ہو تو اللہ نے اپنے ذمہ یہ بات لی ہے کہ وہ اسکو اجر دیکر لوٹائے گا یا اسکو جنت میں داخل کرے گا، گو اس حدیث میں اجر کی مقدار کا ذکر نہیں لیکن ایک اور حدیث میں اس کی وضاحت یوں ہے کہ اگر اللہ کے لئے جہاد کرنے والے کو مال غنیمت حاصل ہوا اور وہ بخیر و عافیت واپس آگیا تو اسے دنیا میں دو تہائی اجر ملے گا جبکہ ایک تہائی آخرت کے لئے محفوظ ہو گیا اور اگر اس مجاہد کو غنیمت نہیں ملی تو اس کا پورا اجر محفوظ رہے گا (۱۲۵)

اور آپ نے مزید فرمایا کہ اگر مجھے اپنی امت کے مشقت میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں کسی "سریہ" (وہ قافلۂ جنگ جسمیں رسول اکرم ﷺ شریک نہ ہوں) میں جانے سے نہ رکتا، امت پر مشقت یہ تھی کہ کئی ایک اجتماعی امور جو مرکز حکومت یعنی مدینہ منورہ میں انجام دیئے جاتے تھے وہ معطل ہو کر رہ جاتے، نہ صرف یہ بلکہ آپ کے

بعد ہونے والے خلفاء بھی یہ سمجھتے کہ ان کا ہر جنگ میں شریک ہونا ضروری ہے اور یوں دیگر اجتماعی معاملات میں تعطل پیدا ہونے اور معاشرے کا توازن درہم برہم ہونے کا خدشہ پیدا ہوجاتا، گویا کبھی کسی مفید کام کو اس سے زیادہ مفید مقصد کے حصول یا کسی بڑے نقصان سے بچنے کیلئے ترک کردیا جانا ضروری ہوتا ہے(۱۲۶)

مزید فرمایا کہ میری آرزو ہے کہ اللہ کی راہ میں جان دوں پھر زندہ کیا جاؤں پھر جان دوں پھر زندہ کیا جاؤں پھر جان دوں، آپ نے یہ اسلوب بیان اس لئے اختیار کیا تاکہ جہاد اور شہادت کی عظمت سے امت کو آگاہ کیا جاسکے۔

علاوہ ازیں شہادت کی تمنا بھی شہادت ہی کا حصہ ہے چنانچہ حدیث نبوی ہے کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ جو بستر پر جان دیدیتے ہیں اور وہ شہید ہوتے ہیں(۱۲۷)

درحقیقت اللہ کی راہ میں جہاد کے عمل سے انسان کے اللہ پر ایمان کی جانچ ہوتی ہے کہ اس کا اپنے نصب العین پر اعتقاد کس نوعیت کا ہے، آیا محض رسمی اور روایتی ہے یا اس میں گہرائی و گیرائی ہے اور جس معاشرے میں جہاد کی اہمیت جاتی رہتی ہے وہاں نصب العین پر اعتقاد بھی کمزور ہوجاتا ہے جس کے نتیجہ میں کئی ایک معاشرتی مسائل بھی جنم لیتے ہیں۔

جہاد، جَہد، جُہد اور مجاہدہ کے معنی تقریباً ایک ہیں یعنی انتہائی سعی و کوشش، شدید مشقت، انتھک محنت اور لگاتار ریاضت(۱۲۸) جبکہ شریعت کی اصطلاح میں جہاد اس مقدس کوشش اور جدوجہد کا نام ہے جو اعلائے کلمۃ الحق اور دین کی سربلندی کے لئے عمل میں آتی ہے۔

اسلام کا دین فطرت ہونے کے ناطے اولیں تقاضہ یہ ہے کہ انسانی معاشرہ کے فکر و ذہن اور عمل و کردار میں ایسا مقدس انقلاب برپا کیا جائے جس سے معاشرہ پاکیزہ اور پرامن بن جائے اور انسانی عزوشرف کے تمام خودساختہ معیاروں کو بالکل ختم کردیا جائے تاکہ تمام انسان ایک ہمہ گیر رشتہ اخوت میں منسلک ہوجائیں، حاکمیت اور قانون صرف احکم الحاکمین کا ہو جس نے مقررہ حدود کے اندر حکمرانی کا حق انسانی معاشرہ کو عطا کیا ہے، اس مقدس دعوت کی راہ میں جو کوشش اور جدوجہد کی جاتی ہے

Marfat.com

خواہ زبان و قلم سے ہو یا جنگ و قتال سے، اس کا نام جہاد ہے، چنانچہ قرآن حکیم میں منافقین کے مقابلے پر جہاں جہاد کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد اتمام حجت، ان کے پروپیگنڈے کا انسداد اور حقائق کی نقاب کشائی ہے(۱۲۹)

اسلام انسانی دنیا کو ایک ایسے صالح نظام تمدن سے روشناس کراتا ہے جس کی بنیاد خدا پرستی کے اعلیٰ اور وسیع نظریہ اور مفاد عامہ پر مبنی ہمہ گیر انسانی اخوت پر ہے اور ان تصورات کو معاشرے میں بنیادی اہمیت حاصل ہے اس بناء پر اسلامی معاشرہ میں کسی طرح کے گروہی اور طبقاتی تصادم کا امکان نہیں ہوتا اور جہاد دراصل اسی معاشرے کے قیام کے لئے تعمیری جدوجہد کا دوسرا نام ہے۔ جہاد کے ذریعے جو نظام حیات قائم کیا جاتا ہے وہ کسی ایک قوم یا فرقہ کے معاشی اور سیاسی تقاضوں کی تکمیل نہیں کرتا بلکہ بلالحاظ مذہب و نسل ہر انسان کو بنیادی انسانی حقوق سے بہرہ ور کرتا ہے اور اس میں غیر مسلم رعایا کو بھی ہر طرح کی تہذیبی، ثقافتی اور معاشی حریت و آزادی حاصل ہوتی ہے۔

اسلام جس طرح کی ہمہ گیر تبدیلی کا خواہاں ہے اس کے لئے اس نے بالکل فطری اسلوب کار متعین کیا ہے، یعنی وہ اس کار عظیم کو قتل و غارت، تشدد و سفاکی اور دہشت انگیزی سے انجام دینا نہیں چاہتا بلکہ دعوت و ارشاد، افراد سازی اور تربیت و تطہیر نفوس کے ذریعے اذہان و قلوب میں اس انداز کی تبدیلی پیدا کرنا چاہتا ہے جس سے دنیا کے انسان پرامن طور پر اس نئے انقلاب کی جدوجہد میں حصہ دار بن جائیں، اسلام اس غرض کے لئے کسی پر دباؤ ڈالنا نہیں چاہتا کہ وہ اس کے اصول و نظریات اور فلسفۂ زندگی کو تسلیم کرے کیونکہ اسلام دین فطرت ہے اور وہ ہر معاملہ میں فطرت کے تقاضے ملحوظ رکھتا ہے اور ظاہر ہے کہ جب تک انسان کو اس بات کا کامل یقین نہ ہو کہ وہ جس عقیدہ و نظریہ کو قبول کررہا ہے، اسکی زندگی کی فلاح و نجات اسی سے وابستہ ہے اس کا ایمان اس کے دل کی گہرائیوں میں جاگزیں نہیں ہوگا چنانچہ اسی حکمت کے پیش نظر اسلام نے اس معاملہ میں جبر و اکراہ سے منع کردیا ہے(۱۳۰) تاہم اس نے ہر زمانہ میں نبی بھیجے کہ وہ انسانوں کو صحیح راہ نجات سے آشنا کرادیں تاکہ وہ بعد میں یہ نہ کہہ

Marfat.com

سکیں کہ ہمیں اسلام کا علم نہ تھا، اب اگر کوئی شخص حق و صداقت کی بیش قیمت متاع سے محروم رہتا ہے تو وہ خود ہی اس کا ذمہ دار ہے کہ وہ دیدہ و دانستہ غلط راستے پر گامزن ہے۔

اسی طرح اسلام اپنے پیروکاروں کو اس امر کی ہر گز اجازت نہیں دیتا کہ وہ محض ہوس ملک گیری، استعمار پسندی اور دوسرے ممالک کے ذخائر دولت پر قبضہ کرنے کیلئے انسانی آبادیوں کو تہہ و بالا کریں۔

اسلام ہی وہ دین ہے جس نے اپنے پیروؤں کو احترام انسانیت کا سبق دیا ہے چنانچہ اس نے بغیر کسی شدید ضرورت کے قتل و خونریزی کو ممنوع قرار دیدیا ہے مگر ایسی حالت میں جبکہ بے رحم اور سنگدل گروہ کے ہاتھوں امن عامہ کو خطرہ لاحق ہو، معصیت و فساد کا دور دورہ ہو، مخلوق خدا کی کوئی قیمتی متاع محفوظ نہ ہو، اہل کفر و ظلم اسلام کی دعوت و تبلیغ کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کردیں، انسانیت کو بلاوجہ ظلم و تشدد کا نشانہ بنائیں اور خودغرض انسانوں کا گروہ باشندگان ملک کے اطمینان، آزاد کاروبار، خوشحالی، آزادی رائے وغیرہ حقوق انسانیت اور حقوق شہریت پر ڈاکے ڈالنے لگے تو ایسی بے رحم اور ظالم و جابر طاقت کا خاتمہ حق و انصاف کا تقاضہ اور عدل و انصاف کا مطالبہ ہوگا کیونکہ یہ بے رحم ظالم و جابر طاقت تمام انسانوں کے لئے سرطان جیسا مرض ہے ہر ایک ہمدرد انسانیت کا فیصلہ یہی ہوگا کہ اس کا آپریشن کردیا جائے ورنہ ساری انسانیت موت کے گھاٹ اتر جائے گی لہذا ایک حق پرست کا مذہبی اور اخلاقی فرض ہوگا کہ اس سرطان کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے جان کی بازی لگادے(۱۳۱) اگر ایسی حالت میں بھی جہاد و قتال کی اجازت نہ دی جاتی تو دنیا کے پُرامن اور مظلوم عوام الناس کو زمین کے کسی گمنام گوشہ میں بھی امن و چین نصیب نہ ہوتا اور دنیوی نظام و تہہ و بالا ہوجاتا لیکن اللہ تعالی کا فضل و احسان ہے کہ اس نے معاشرے کے ناسور کے خاتمے کا حکم دیا ہے(۱۳۲) اور جو معاشرہ اس اہم اسلامی فریضہ کی انجام دہی میں کوتاہی برتے گا وہ اس دنیا میں غلامی کے ذلت آمیز عذاب سے دوچار ہو کر اپنی شناخت کھو بیٹھے گا(۱۳۳)

Marfat.com

معاشرے کی فطری اصولوں کے مطابق تعمیر کی یہ کوشش یعنی جہاد اگر ذاتی اغراض سے علیحدہ ہو کر صرف حق کی فتح اور صداقت کی سربلندی کےلئے ہو تو اس کے مبارک اور مسعود ہونے میں کس کو کلام ہوسکتا ہے قرآن حکیم ذاتی اغراض تو درکنار گروہی یا نسلی اغراض کا گردوغبار بھی دامنِ جہاد پر برداشت نہیں کرتا، قرآن حکیم کی رو سے ہمہ گیر حق وصداقت، انسانی شرف و عظمت اور اعلی اخلاق کے نام پر جو جدوجہد ہو وہ اسی وقت جہاد قرار دی جاسکتی جبکہ نہ قومی یا نسلی اقتدار کا تصور سامنے ہو اور نہ فرقہ پرستی اور دھڑے بندی کی کوئی شکل کسی فتنہ و فساد کو پیدا کرسکے، اس جدوجہد (جہاد) کے وقت ایک فریق کو شکست دیکر ختم کردینے کا جذبہ یقینا کارفرما ہوگا مگر یہ جذبہ ہر قسم کی خودغرضی اور تنگ نظری سے بالکل پاک ہوگا اور یہ اس وقت ہوگا جبکہ اصلاح کی تمام کوششیں ختم ہوچکی ہوں اور انسانیت کے اعلی مقاصد کی حفاظت کے لئے اس آپریشن کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہ رہا ہو اس بنا پر اس جذبے کو پاک جذبہ اور اس عداوت کو مقدس عداوت کہا جائے گا، چنانچہ امام شاہ ولی اللہ نے جہاد کی تعریف ہی یہی کی ہے کہ ایک مقدس عداوت جو ذاتی اغراض اور نفسانی خواہشات سے بالکل پاک صرف مفادِ عامہ اور انسانیت کے اعلی مقاصد اور بلند تر مصالح کے لئے ہو(۱۳۴)

عداوت اور دشمنی کے ساتھ پاک کا لفظ بہت ہی اجنبی ہے مگر جہاد کے لئے یہی اجنبی صفت لازمی شرط ہے، کیونکہ اپنی جان دینے یا دوسرے کی جان لینے کیلئے کسی بھی ذاتی غرض یا کسی بھی نفسانی خواہش کی ذرہ بھر پلیدی کی آمیزش ہوگی تو یہ جہاد نہیں بلکہ جہالت، وحشت اور ظلم ہوگا شاہ صاحب کا نظریہ یہ ہے کہ جہاد کے وقت ایک حق پرست اپنے آپ کچھ نہیں ہوگا، وہ جو کچھ ہوگا مقاصد حق کا آلہ کار ہوگا، حق وصداقت کا جو تقاضہ ہو وہ اس کی عین تمنا اور آخری آرزو ہوگی اور اسی کی تکمیل کے لئے وہ اپنا سب کچھ قربان کررہا ہوگا۔

اسلام کی تعلیم کے مطابق جہاد کا یہ مقدس فرض پورے تقدس کے ساتھ وہی جماعت انجام دے سکتی ہے جس کی تربیت خاص مقاصد کے لئے خاص طور پر کی گئی ہو جس کا ہر ایک فرد اپنی ذاتی اغراض ختم کرکے اعلی مقاصد کی تکمیل کے لئے اپنی زندگی

وقف کرچکا ہو، یہاں یہ واضح رہے کہ جہاد کی اصل قوت ضبط نفس، صبر واستقامت، ذوق فنا اور وہ جذبہ ہے جو مصیبت کو راحت اور موت کو جام خوشگوار بنادے (۱۳۵)

فقہاء نے جہاد کی تعریف یوں کی ہے کہ راہ خدا میں لڑنے کیلئے پوری کوشش صرف کرنا، جنگ میں عملاً شریک ہو کر یا اس میں مالی یا رائے کے اشتراک کے ذریعے یا زخمیوں کے علاج و معالجہ نیز خوراک وغیرہ کے بندوبست کی صورت میں، اور اسی ذیل میں سرحدوں کی دیکھ بھال بھی شامل ہے (۱۳۶)

جہاد کی چند معروف اقسام یہ ہیں (۱۳۷)

۱- تبلیغی جہاد، یعنی تحریر و تقریر سے دین حق کی تبلیغ کی جائے، اور کافروں، منافقوں اور ملحدوں کے پھیلائے ہوئے شکوک و شبہات کے ازالہ کے ذریعہ اسلام کی حقانیت کو دلائل سے واضح کیا جائے اس جہاد کا ہر مسلمان ذمہ دار ہے اور اس ذمہ داری کی نوعیت اس کے مرتبے، ماحول اور عمل کی صلاحیت کے حوالہ سے متعین ہوگی، قرآنی نقطۂ نظر سے ہر استاد و طالب علم اپنے تعلیمی ادارہ میں، ملازم پیشہ اپنے دفتر میں، مزدور کارخانے میں، تاجر بازار میں، باپ خاندان میں اور عورت شوہر کے گھر میں اور دیگر خواتین میں دعوت و تبلیغ کا کام کرے، تبلیغی جہاد میں مصروف افراد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے زیر تبلیغ علاقہ کے افراد کے اصلاح طلب نظریات و افکار سے آگاہ ہوں اور ان کی نفسیات اور عقلی معیار کے مطابق گفتگو کے اسلوب سے واقف ہوں۔

۲- تعلیمی و تربیتی جہاد۔ یعنی افراد اور معاشرے کی علمی اخلاقی ثقافتی و فکری شخصیت سازی کے لئے کوشش اور جدوجہد کی جائے اس جہاد میں مصروف افراد کیلئے ضروری ہے کہ وہ قرآن و سنت کے علوم، تاریخ اور حالات حاضرہ سے واقفیت رکھتے ہوں اور اخلاق حسنہ سے آراستہ ہوں اس ضمن میں خانقاہوں اور مدارس کا قیام، حلقہ ہائے ذکر، فکری و تربیتی مجالس اور تعلیمی نشستوں کا انعقاد، تعلیمی کورسز کی تشکیل، کتابوں کا منظم مطالعہ اور باہمی مذاکرہ و مراقبہ جیسے امور قابل ذکر ہیں۔

مولانا عبید اللہ سندھی (۱۹۴۴ء) کہتے ہیں کہ جب ہم نے تعلیم (تدریس) کا سلسلہ شروع کیا تو پہلے قرآن مجید سے جہاد کا مسئلہ طلباء کو سمجھاتے اور اس کے بعد صحیح

احادیث سے اس پر روشنی ڈالتے پھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حالات زندگی اس بارے میں پیش کرتے اور اس کے بعد امام شاہ ولی اللہ کے طریق فکر پر احکام جہاد کو منطبق کرتے اور آخر میں طلبہ پر واضح کرتے کہ کس طرح آج کے زمانہ میں موجودہ حالات کے مطابق جہاد کا حکم قابل عمل ہوسکتا ہے(۱۳۸)

۳- سیاسی جہاد یعنی اسلام کے اعلی اصولوں پر مبنی نظام عدل کے قیام کیلئے جدوجہد کی جائے، دور حاضر میں ایسی جدوجہد کی سب سے بڑی حریف قوتیں، سامراج اور اسکی پروردہ صیہونی، استشراقی، عیسائی مشنری اور الحادی تحریکات نیز ایجنٹ مقامی قوتیں ہیں نظام عدل کے قیام کے لئے جب تک کوئی اجتماعیت وجود میں نہ آجائے. اس وقت تک ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اسلام کے نظام عدل کے قیام کیلئے جدوجہد کرے اور اس کیلئے اجتماعیت قائم کرے(۱۳۹) ایسی اجتماعیت کا وجود ہی کافی نہیں بلکہ اس کا منظم و متحد ہونا، مطلوبہ منصوبہ بندی اور اسپر عملدر آمد کی صلاحیت کا ہونا بھی ضروری ہے اور یہ تمام امور سیاسی جہاد کے زمرہ میں شامل ہیں۔

جو افراد سیاسی امور سے لاتعلقی کو دین کا تقاضہ گردانتے ہیں وہ درحقیقت اسلام سے ناواقف ہیں، ایسے لوگ ایسی نسل کی افزائش کرنا چاہتے ہیں جو شکست خوردہ، توہمات کا شکار، سماجی امور سے الگ تھلگ، بزدل اور ناتواں ہو، عملی سیاست سے علیحدگی ایک جامع منصوبہ کے تحت ایک وقتی مرحلہ تو ہوسکتی ہے لیکن اسے مستقل شکل دیکر اس کا پرچار کرنے والے درحقیقت (عملی شرکت سے بذات خود اجتناب اور دوسرے لوگوں کو عمل سے روکنے کے سبب) دوہرے مجرم ہیں۔

اس ضمن میں شیخ الہند مولانا محمود حسن (۱۹۱۹ء) کہتے ہیں جو لوگ موجودہ زمانہ کی کشمکش میں حصہ لینے سے کنارہ کشی کرتے ہیں اور صرف حجروں میں بیٹھ رہنے کو اسلامی فرائض کی ادائیگی کیلئے کافی سمجھتے ہیں، وہ اسلام کے پاک وصاف دامن پر ایک بدنما دھبہ لگاتے ہیں حالانکہ ان کے فرائض صرف نماز روزہ میں منحصر نہیں بلکہ اس کے ساتھ ہی اسلام کی عزت برقرار رکھنے اور اسلامی شوکت کی حفاظت کی ذمہ داری بھی ان پر عائد ہوتی ہے(۱۴۰)

Marfat.com

۴- جنگی جہاد- اسلام کے نظام عدل کے قیام اور دعوت دین کے راستہ میں رکاوٹ بننے والے عناصر کی سرکشی کے انسداد کیلئے جنگی طریق کار کے تحت جدوجہد کی جائے تاکہ فساد کا انسداد ہو اور مخالفین کے دلوں میں اسلام کی انقلابی تعلیمات اور اجتماعیت کے خلاف مزاحمت کا ارادہ تحلیل ہوجائے، اس ضمن میں مزاحمت کرنے والوں کی گرفتاریاں، عمر قید کی سزائیں، ان کے فکر کی اشاعت پر پابندی، ان کی تنظیم سازی اور اجتماع سازی پر پابندیاں شامل ہیں (۱۴۱) زیر نظر حدیث میں جہاد کی اسی قسم کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے واضح رہے کہ نظام عدل کے قیام کے بعد ہی جنگی جہاد یا قتال کی اجازت ہے، اس سے قبل نہیں۔

۵- مالی جہاد- یعنی مال و دولت کو دین حق کے غلبہ کیلئے صرف کرنا، یہ ہر جہاد کیلئے شہ رگ کی حیثیت رکھتا ہے چنانچہ تبلیغی جہاد کو کتابوں، پمفلٹوں، اخبارات، رسائل اور دیگر مواصلاتی ذرائع مہیا کرنے کیلئے مال کی ضرورت ہوتی ہے اور تعلیمی جہاد کو اساتذہ کے مشاہروں، لیکچرز اور سیمیناروں کے انعقاد اور تدریسی کتب کیلئے رقم درکار ہوتی ہے۔ نیز سیاسی جہاد کو قوت بہم پہنچانے والے رسائل اور ماہر علماء اجتماعیات کی خدمات کے حصول کیلئے پیسے کی ضرورت ہوتی ہے اور اسی طرح جنگی جہاد کو ہتھیار، اسلحہ اور عصری تقاضوں کے مطابق سازوسامان کی ضرورت ہوتی ہے، نیز لوگوں کی معاشی ضروریات کی تکمیل کا تصور تو مال و دولت کی فراہمی سے ہی وابستہ ہے۔

الغرض جہاد کا فریضہ ہر صورت میں واجب العمل ہے اور اس سے کسی صورت میں روگردانی ممکن نہیں ہے۔

قیام رمضان

باب تطوع قیام رمضان من الایمان

امام بخاری نے اس ترجمہ (عنوان) میں لفظ "تطوع" کا اضافہ کرکے اس قول کی

جانب اپنے رجحان کا اظہار کیا ہے کہ اعمال خواہ نوافل کی نوعیت سے تعلق رکھتے ہوں، ایمان میں داخل ہیں، اور تطوع سے مراد یہاں نماز تراویح کا عمل ہے جو رمضان کی راتوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ نیز ابواب کی ترتیب سے اس جانب بھی اشارہ ہے کہ قیام لیلۃ القدر جہاد اور قیام رمضان کے تمام اعمال مشقت کے ہیں اور ان پر مداومت اور پابندی اس شخص سے ہو سکتی ہے جس کے قلب میں اخلاص و محبت خداوندی ہو۔

حدثنا اسماعیل قال: حدثنی مالک، عن ابن شهاب، عن حمید بن عبدالرحمن، عن ابی هریرة أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: (من قام رمضان ایمانا و احتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه)

ترجمہ: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو کوئی رمضان میں (راتوں کو) ایمان رکھ کر اور ثواب کے لیے قیام (عبادت) کرے اس کے اگلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

توضیح: حقیقت یہ ہے کہ مغفرت، صوم رمضان، یا قیام لیلۃ القدر یا مطلق قیام رمضان جیسے اعمال کی تاثیر اور خصوصیت ہے، اور کسی چیز کی تاثیر اور خصوصیت پائے جانے کے لئے ضروری ہے کہ کوئی ایسی چیز نہ پائی جائے جو اس سلسلے میں رکاوٹ بنے، مثلاً ادویات کی اپنی تاثیر ہے لیکن اس کا وجود پرہیز پر موقوف ہے، یہی سبب ہے کہ بدپرہیزی کی صورت میں دواؤں کا استعمال بے سود ہو جاتا ہے، اسی طرح مذکورہ اعمال خیر اپنی تاثیر اور خاصیت کے اعتبار سے ماضی کے تمام گناہوں کی مغفرت کے متقاضی ہیں بشرطیکہ مانع مغفرت کوئی گناہ کبیرہ نہ ہو یعنی اس سے پرہیز مکمل ہو۔ واضح رہے کہ ماہ رمضان کی بنیادی اہمیت نزول قرآن کے حوالہ سے ہے، قرآن حکیم درحقیقت انسانیت کو ترقیات سے روشناس کرانے والی ایسی کتاب ہے جس کا یہ عمل آخرت میں بھی جاری رہے گا چنانچہ حدیث نبوی میں وارد ہے کہ "صاحب قرآن سے روز قیامت کہا جائے گا پڑھو اور آگے بڑھتے جاؤ" اور ٹھہر ٹھہر کر سمجھ سمجھ کر پڑھو جیسے دنیا میں تم پڑھا کرتے تھے، تمہاری منزل وہ آخری آیت ہوگی

Marfat.com

جو تم پڑھو گے" (۱۴۲) اسی بناء پر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اے اہل قرآن! قرآن سے غفلت مت برتو اور شب روز اسکی اس طرح تلاوت کرو جیسے اسکی تلاوت کا حق ہے (یعنی اپنی زندگی اس کی ہدایت کی روشنی میں بسر کرو) اسکی ترویج و اشاعت کرو، اس کے ذریعہ ہر فکر و فلسفے سے بے نیاز ہوجاؤ اور جو کچھ اس میں ہے، اس پر غور و فکر کرو تاکہ تم (دونوں جہانوں کی) کامیابی حاصل کرسکو اور اس کے ثواب (نتائج) کیلئے جلد بازی مت کرو یقیناً اس کا عظیم ثواب ہے (یعنی اس کے نتائج عظیم الشان ہے) (۱۴۳)

قرآن حکیم کی اسی اہمیت کے پیش نظر ماہ نزول میں ایک مستقل عمل مقرر کردیا گیا ہے کہ نماز تراویح میں قرآن کی تلاوت و سماعت کی جائے، نماز میں قرآن حکیم کی تلاوت کو عام حالت میں تلاوت پر فوقیت حاصل ہے (۱۴۴) خود رسول اکرم ﷺ نے دو تین دن تک اس نماز تراویح کا باجماعت اہتمام کرکے اس امر کی نشاندہی کردی کہ قرآن حکیم در حقیقت اجتماعیت کا نقیب ہے۔ امت کی آسانی کیلئے آپ نے اس کے بعد جماعت کا اہتمام نہیں کیا کہ ان پر کہیں یہ نماز فرائض میں شامل نہ ہوجائے، لیکن جب بعد میں اس امر کا احتمال نہیں رہا تو خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قرآن حکیم کے اجتماعی مطالعہ (بصورت تلاوت و سماعت) کیلئے نماز تراویح کو باقاعدہ اجتماعی شکل دیدی۔

جہاں تک نماز تراویح کی تعداد رکعات کا تعلق ہے تو احادیث میں رسول اکرم ﷺ سے آٹھ اور بیس رکعات دونوں قسم کی روایات موجود ہیں، اس سے خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جن کی رائے کے مطابق کئی مرتبہ وحی الٰہی نازل ہوئی ہے، نے یہ اخذ کیا کہ چونکہ رسول اکرم ﷺ کے دونوں قسم کے معمولات تھے، لہذا بیس رکعتوں پر قرآن حکیم کی قراءت کو تقسیم کرنے سے امت مسلمہ کیلئے متعدد قیام اور رکوع و سجود کے باعث ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف مناسب اور معتدل تبدیلی سے عبادت میں آسانی اور سہولت پیدا ہوجائے گی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے کو نہ صرف ان کے دور میں متفقہ طور پر تسلیم کیا گیا بلکہ حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہما کے عہد خلافت راشدہ میں بھی

اسی پر عمل ہوتا رہا بعض اہل علم نے نماز تراویح کے بیس رکعت ہونے کی حکمت یہ بتلائی ہے کہ درحقیقت سنتیں، فرائض و واجبات کی تکمیل کیلئے مقرر کی گئی ہیں اور فرائض نماز کی وتر سمیت بیس رکعات ہوتی ہیں لہذا نماز تراویح کی رکعات بھی اتنی ہونی چاہئیں تاکہ تکمیل کرنے والی عبادت اور جس کی تکمیل مقصود ہے، ان دونوں میں مساوات آجائے(۱۴۵)

الغرض نماز تراویح کی مشروعیت کے پس منظر میں قرآن حکیم کی وہ بنیادی اہمیت ہے کہ جس کے بغیر انسان از روئے حدیث ویران گھر کی مانند ہے(۱۴۶) اور یوں نماز کی یکسوئی کے ذریعہ قرآن حکیم کے حقائق پر غور و فکر کا موقعہ مہیا کیا گیا ہے۔

صیام رمضان

باب صوم رمضان احتسابا من الایمان

حدثنا ابن سلام قال: اخبرنا محمد بن فضیل قال حدثنا یحیی بن سعید عن ابی سلمة عن ابی هریرة قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم (من صام رمضان ایمانا و احتسابا غفرله ماتقدم من ذنبه)

ترجمہ: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص رمضان کے روزے ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے رکھے اس کے اگلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

توضیح احادیث میں کئی ایک اعمال خیر پر گناہوں کی مغفرت کا وعدہ کیا گیا ہے لہذا اگر کسی ایک عمل خیر سے تمام گناہوں کی بخشش ہو گئی تو دیگر اعمال خیر سے درجات بلند ہوں گے، تاہم حقوق العباد کی ادائیگی اور عدم استطاعت کی صورت میں صاحب حق سے رضاکارانہ طور پر معاف کرانا بہر کیف ضروری ہے، اس کے لئے یہ

اعمال خیر ناکافی ہیں۔

نماز روزے جیسے اعمال کی ادائیگی سے انسان میں موجود صفت ملکیت مضبوط ہوتی ہے اور ملکیت کا تعلق براہ راست اللہ تعالی سے ہے، اور تجلی الہی سے تعلق ہر انسان کی ذاتی اور نوعی ضرورت ہے لہذا جس معاشرے میں اس ضرورت کو نظر انداز کردیا گیا ہو وہ اپنے افراد کی ترقی کا ضامن نہیں ہوسکتا۔

الغرض جب تجلی الہی انسانی ذہن میں جم جائے گی تو ہر دم اس کی یاد رہے گی اور زبان سے بھی اس کا ذکر ہوگا جو در حقیقت اس اندرونی یاد کا عنوان ہوگا۔ اور یہی ذکر اسے مخلوق خدا سے ہمدردی، دوستی اور ان کے حقوق کی جدوجہد کے لئے مہمیز کا کام دے گا۔

روزہ کی فرضیت کا بنیادی مرکز "تقوی" ہے، جو ایک مخصوص نورانی کیفیت اور صحیح وجدان کا نام ہے جس کے ذریعہ انسان ظلم کو ہر صورت میں پہچان لیتا ہے اور خدا کے سامنے جوابدہی کے احساس کے تحت اس میں ملوث ہونے سے پرہیز کرتا ہے، یہ کیفیت اور وجدان ان امور سے اجتناب اور بچاؤ کرتے رہنے سے راسخ ہوتا ہے جو از روئے شرع انسان کیلئے تباہ کن یا نقصان دہ ہیں (۱۴۷) اسی تقوی کی تفسیر قرآن حکیم کی اس آیت سے بھی کی گئی کہ اللہ تعالی عدل قائم کرنے، احسانی حالت (جوابدہی کا احساس) پیدا کرنے اور قریبی لوگوں کو ان کی ضروریات مہیا کرنے کا حکم دیتا ہے اور فحش (ہوس و حرص سے متعلقہ جرائم) منکر (جاہ پرستی سے پیدا شدہ جرائم) اور بغی (اجتماعی جرائم) سے منع کرتا ہے (۱۴۸)

روزے سے حاصل شدہ تقوی کے نتیجہ میں روزہ دار کے اندر ایثار و قربانی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نے ایک خاص وقت تک کے لئے جسمانی لذتوں سے کنارہ کشی اختیار کئے رکھی، اور خواہشات نفس کی یہی قربانی اس کیلئے عمل جہاد میں معاون ثابت ہوتی ہے، اسی طرح اسکو حاصل شدہ نعمتوں کی اہمیت کا احساس ہوتا ہے جس سے شکر اور قدردانی کے جذبات پروان چڑھتے ہیں کیونکہ دن بھر نعمتوں سے دور رہ کر اسے ان کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ ہو ہی جاتا ہے، علاوہ ازیں روزہ کے عمل سے انسانی

Marfat.com

ہمدردی کے جذبات کو تقویت ملتی ہے اور دنیا کے فاقہ زدہ انسانوں کے ساتھ ایک انس پیدا ہوتا ہے جو اسے ان کی مصیبتوں میں شریک ہونے پر ابھارتا ہے اور ان کے دکھ درد کے ازالہ میں عملی اقدام پر آمادہ کرتا ہے، اور کوئی روزہ دار کوئی عملی اقدام کرنے کی استطاعت نہ بھی رکھتا ہو تو بھی ان کے ساتھ عملی یکجہتی کے اظہار کا موقعہ روزہ ہی فراہم کرتا ہے، یوں تیس دن اسلامی معاشرہ، فاقہ زدہ انسانیت کے ساتھ عملی مساوات کا مظاہرہ کرتا ہے نیز روزہ، انسان کے اندر مشکلات سے عہدہ برآ ہونے کیلئے صبر و تحمل کی صلاحیت پیدا کرتا ہے اور اسے ہر قسم کے حالات سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ عطا کرتا ہے، مزید برآں روزے سے اصلاح نفس کا مجاہدہ بھی ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں روزہ دار میں انفرادی عیوب سے محفوظ رہنے کی محنت اور اجتماعی مفاسد کے خلاف جدوجہد کا جذبہ توانا ہوتا ہے، چنانچہ جو روزہ دار حسد، غیبت، بے حیائی، حق تلفی اور فریب دہی سے اجتناب نہیں کرتا ہے، وہ محض بھوکا پیاسا دن گزارتا ہے، اور اس کے اعمالنامہ کی سیاہی میں ہی مزید اضافہ ہوتا ہے۔

ذیل میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی وہ خطبہ نبوی پیش ہے جو آپ ﷺ نے شعبان کی آخری تاریخ میں ارشاد فرمایا، جس سے رمضان کے فضائل کے علاوہ اس کے انسانیت دوست مقاصد پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

"اے لوگو! تم پر عظمت والا مہینہ آرہا ہے جو بابرکت مہینہ ہے، اس میں ایک ایسی رات ہے جو ہزار ماہ سے بہتر ہے، یہ ایسا مہینہ ہے جس کے روزوں کو اللہ تعالیٰ نے فرض اور رات کے قیام (نماز تراویح) کو نیکی کے حصول کا ذریعہ بنایا، جو شخص اس میں کسی نیکی کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرے، وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی رمضان کے علاوہ فرض ادا کرے اور جو شخص اس ماہ میں فرض ادا کرے وہ ایسا ہے جیسے کوئی رمضان کے علاوہ ستر فرائض ادا کرے یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے، یہ مہینہ لوگوں کے ساتھ غمخواری اور ہمدردی کا ہے، اس ماہ میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے، جو شخص کسی روزے دار کا روزہ افطار کرائے اس کیلئے گناہوں کی معافی اور آگ سے نجات کا سبب ہوگا اور روزہ دار کے ثواب میں کچھ کمی کئے بغیر اسکو روزہ دار کے اجر جیسا

ثواب ملے گا۔

صحابہ نے عرض کیا! یارسول اللہ ہم میں سے ہر شخص اتنی استطاعت نہیں رکھتا کہ روزہ دار کو افطار کرائے۔

آپ نے فرمایا یہ ثواب تو ایک کھجور کھلا کر یا ایک گھونٹ پانی یا ایک گھونٹ دودھ پلا کر افطار کرانے والے کو بھی ملتا ہے، یہ ایسا ماہ ہے جس کا اول حصہ رحمت ہے، درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ آگ سے آزادی ہے، جو شخص اس ماہ میں اپنے ماتحت کا بوجھ ہلکا کردے اللہ تعالی اس کی مغفرت کرتا ہے اور آگ سے خلاصی دیتا ہے۔

اس میں چار چیزوں کی کثرت رکھا کرو، جن میں سے دو چیزیں ایسی ہیں جن سے تم اپنے رب کی خوشنودی حاصل کروگے اور دو چیزیں ایسی ہیں کہ جن سے تمہیں کوئی چارہ کار نہیں پہلی دو چیزیں جن سے تم اپنے رب کی رضا حاصل کرو لا الہ الا اللہ (کلمۂ طیبہ) اور استغفار کی کثرت ہے، اور دوسری دو چیزیں جن سے تمہیں کوئی چارہ کار نہیں یہ ہیں کہ تم اللہ سے جنت طلب کرو اور آگ سے پناہ مانگو۔

جو شخص کسی روزہ دار کو پانی پلائے اللہ تعالی اسکو روز قیامت میرے حوض سے اسکو ایسا پانی پلائیں گے جس کے بعد اسے پیاس نہیں لگے گی یہاں تک کہ وہ جنت میں داخل ہوجائے" (۱۴۹)

دین کی آسانی

باب الدین یسر و قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم احب الدین الی اللہ الحنیفیۃ السمحۃ

(دین آسان ہے اور ارشاد نبوی ہے کہ اللہ کے ہاں پسندیدہ ترین دین سہل حنیفیت ہے)

Marfat.com

امام بخاری رمضان المبارک سے متعلقہ ابواب ذکر کرنے کے بعد "الدین یسر" کا باب ذکر کرکے سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۸۵ کے مضمون کی جانب اشارہ کر رہے ہیں کہ اس میں اولاً رمضان کا ذکر ہے اور پھر مریضوں اور مسافروں کیلئے ترک روزہ کی اجازت کا تذکرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یسر (آسانی) چاہتا ہے اور وہ عسر (تنگی) کا خواہاں نہیں ہے نیز "الدین یسر" کے عنوان سے یہ بات معلوم ہوئی کہ بعض دیگر ادیان میں "عسر" (تنگی) بھی ہے جبکہ دین اسلام سب سے سہل اور آسان ہے لہذا نفس دین میں بھی کمی و بیشی ثابت ہوئی جو امام بخاری کا موقف ہے علاوہ ازیں ایک دین کے احکام میں بھی عزیمت و رخصت کے اعتبار سے یسر اور عسر کی نسبت کی جاسکتی ہے۔

چونکہ گزشتہ ابواب میں بیان کردہ قیام شب قدر، جہاد، نماز تراویح اور روزے جیسے اعمال محنت و مشقت کے ہیں اس لئے گمان ہوسکتا ہے کہ مشقت والے اعمال کی ترغیب دین میں موجود ہونے کی بناء پر اگر ایسے اعمال اختیار کئے جائیں گے تو ہر شخص ان کا متحمل نہیں ہوسکے گا نتیجتاً اعمال میں شدت کا پہلو غالب ہونے کی وجہ سے عزائم سست اور کمزور ہوجائیں گے اور جذبۂ عمل بتدریج ختم ہوجانے کا اس گمان کی تردید امام بخاری نے مذکورہ بالا عنوان کے ذریعے کی ہے کہ گزشتہ ابواب میں مذکورہ اعمال میں اعتدال کی رعایت اور توازن ملحوظ رکھا گیا ہے ان میں ایسے اعمال شاق کی ترغیب نہیں ہے جن کا انسان متحمل نہ ہوسکے۔ اس لئے آمدہ حدیث میں واضح کیا گیا ہے کہ اگر اعمال میں تشدد اور سختی اختیار کی گئی تو تھک کر بیٹھ جاؤ گے۔ دین پر غلبہ پانا کسی کے بس کی بات نہیں ہے، مذکورہ اعمال گو محنت کے اعمال ہیں مگر گزشتہ ادیان کے مقابلہ میں دین اسلام بہت ہی آسان ہے کہ احکام کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ایسا ہے کہ جہاں گذشتہ ادیان کی شدت کے مقابلہ میں دین اسلام نے بہت سی آسانیاں پیدا کردیں گویا دین اسلام ایک متوازن راہ عمل اپنانے کی دعوت دیتا ہے، نیز اللہ تعالیٰ کے انعامات کا سلسلہ اس کی طرف سے بندوں پر عائد کردہ عبادات کے سلسلے سے کہیں زیادہ پھیلا ہوا ہے، اسی بناء پر رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین دین، دین حنیف ہے جس کی بنیاد سماحت و سہولت پر قائم ہے

یعنی تمام ادیان، اللہ کی طرف سے ہیں اور اس کے محبوب ہیں مگر محبوب ترین دین، اسلام ہے کہ اس کے احکام معتدل اور سہل ہیں گویا دین میں شدت برتنا اور عبادات و نوافل میں حد سے بڑھ جانا کہ معمول کے مطابق برداشت سے باہر ہو یا دیگر اجتماعی کاموں میں مخل ہو، اللہ کو پسند نہیں، اعمال کی ادائیگی میں جسمانی استطاعت اور معروضی حالات کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔ یہاں یہ واضح رہے کہ قرآن و سنت کی اصطلاح میں "حنیف" اس کو کہتے ہیں جو سب سے الگ تھلگ ہو کر اللہ کی طرف اور اعلیٰ تر مقاصد کی جانب مائل ہو جائے (۱۵۰) جیسے حضرت ابراھیم علیہ السلام تھے کہ گھر، باپ اور قوم و وطن کو چھوڑا پھر اسماعیل و ہاجرہ (صاحبزادہ و بیوی علیہما السلام) کو وادی مکہ میں اللہ کے حکم پر چھوڑا اور یوں ان کا لقب ہی "حنیف" ہو گیا۔

حدثنا عبد السلام بن مطهر قال: حدثنا عمر بن على عن معن بن محمد الغفارى عن سعيد بن ابى سعيد المقبرى، عن ابى هريرة عن النبى صلى الله عليه وسلم قال (ان الدين يسر و لن يشاد الدين احد الا غلبه فسددوا و قاربوا و ابشروا و استعينوا بالغدوة و الروحة و شئ من الدلجة)

ترجمہ: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بیشک دین آسان ہے اور دین میں کوئی سختی کرے گا تو دین اس پر غالب آجائے گا اس لئے بیچ بیچ کی چال چلو اور (افضل کام نہ کرسکو تو اس کے) نزدیک رہو اور ثواب کی امید رکھ کر خوش رہو اور صبح و شام کی چہل قدمی اور اخیر رات کی کچھ چہل قدمی سے مدد لو۔

توضیح: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ دین آسان ہے اور جو شخص یہ ارادہ کرے کہ ہر وقت دین کے کام میں عزیمت ہی پر عمل کرے رخصت پر نہیں، اس کا نبھانا ممکن نہیں اور یوں وہ دین کے سامنے مغلوب ہو جائے گا۔

دین کے کچھ اعمال ایسے ہیں جن کا بہر صورت بجالانا ضروری ہے انہیں "عزیمت" کہا جاتا ہے، اور دیگر ایسے اعمال ایسے ہیں جن میں انسان کو درپیش حالات

Marfat.com

کے مطابق ردو بدل ہوتا رہتا ہے انہیں "رخصت" کہا جاتا ہے، چونکہ دین سے دونوں کا تعلق ہے لہذا تقاضائے عبدیت یہ ہے کہ اپنے اپنے مواقع کے مطابق دونوں پر عمل کیا جائے۔

جس طرح ہر موقع پر رخصت کا متلاشی رہنا موقع پرستی ہے کہ اس طرح دین، نفسانی خواہشات کا مجموعہ بن جائے گا، اسی طرح ہر موقع پر تمنائے عزیمت بھی حد سے تجاوز اور جمود و انتہاء پسندی کی علامت ہے اور اس صورت میں دین سے جو زور آزمائی ہوگی، اس میں اپنی ہی شکست ہے کیونکہ نظریاتی اور عملی انتہاپسندی دین کو معاشرے کے عملی تقاضوں سے دور کرنے کا سبب بنتی ہے، اسی لئے آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ میانہ روی اختیار کی جائے اور یہ کہ کسی کامل چیز پر عمل کرنے کی طاقت نہ ہو تو اس سے کم اور اس سے قریب کو اختیار کیا جائے اور بشارت حاصل کی جائے کہ بعض اعمال پر بشارت کے تذکرہ میں اجر و ثواب کا تعین کیا گیا ہے اور بعض کی کیفیت کو اللہ تعالی نے از خود مخفی رکھا ہے نیز فرمایا کہ صبح و شام اور آخر شب کے اوقات سے اپنی طاعت و عبادت اور دوسرے کاموں میں مدد حاصل کرو کہ ان اوقات میں "ملأ اعلی" کی خصوصی توجہات ہوتی ہیں اور شب و روز میں یہی اوقات فرحت و نشاط کے ہیں اور انہی میں نمازیں فرض ہیں۔ "غدوۃ" میں نماز فجر، "روحہ" میں نماز ظہر و عصر اور "دلجہ" میں نماز مغرب و عشاء آجاتے ہیں۔

نماز اور ایمان

باب الصلوة من الايمان

و قول الله تعالى: و ماكان الله ليضيع ايمانكم يعنى صلاتكم عند البيت(۱۵۱)

امام بخاری نے گزشتہ باب میں دین کے آسان ہونے کا ذکر کیا تھا تو اب ایمان

Marfat.com

اس کی ایک مثال بیان کر رہے ہیں دین کی آسانی کا اندازہ نماز کے فریضے سے کیا جاسکتا ہے کہ یہ ایمان و اسلام کی علامت ہونے کے باوجود آسان اور سہل ہے کیونکہ مجموعی طور پر چوبیس گھنٹوں میں ڈیڑھ گھنٹے سے زیادہ کا عمل نہیں ہے، اس میں کوئی جسمانی مشقت نہیں ہے پھر معروضی حالات کے مطابق سفر و مرض اور خوف میں اس سے متعلق سہولتیں بھی پیدا کی گئی ہیں۔

علاوہ ازیں کتاب اللہ میں صلوۃ کو ایمان سے تعبیر کیا گیا جو اعمال سے ایمان کے گہرے ربط و تعلق کی علامت ہے اور اس سے اعمال کے بارے میں ارجائی (غیر ذمہ دارانہ) موقف کی نفی ہوتی ہے۔ یاد رہے کہ انسان کے قلب میں خداشناسی کی جو قوت مضمر ہے، اسے نماز ترقی دیتی ہے تو انسان کے اندر ایسی حالت پیدا ہوجاتی ہے کہ گویا وہ اس آئینہ میں خدا کو دیکھ رہا ہے، یہ تجلی جو اس کے قلب میں اسے نظر آتی ہے انسان کبیر (امام نوع انسانی جو عالم مثال میں نمائندہ نوع انسانی ہے) کے قلب کی تجلی کا پرتو ہوتی ہے یہاں تک ترقی کرجانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان، انسانیت کے تقاضوں کو خدا کا حکم سمجھنے لگتا ہے اور اپنے آپ کو خدا کا یعنی مسکینوں اور کمزوروں کا خادم سمجھنے لگ جاتا ہے جسے کسی دوسرے بندے کے حقوق سلب کرنے کا کوئی حق نہیں ہے پس وہ ہر وقت خدمت انسانیت کے لئے تیار رہتا ہے اور اسے خدا کی عبادت کا جزو جانتا ہے (۱۵۲)۔

تشریح عبارت: صلوتکم عند البیت کی مفصل عبارت یوں ہے

صلوتکم التی صلیتموها عند البیت الی بیت المقدس"

یعنی وہ نمازیں جو بیت اللہ کے پاس بیت المقدس کی جانب رخ کرکے ادا کی گئیں، ضائع نہیں ہوئیں،

رسول اکرم ﷺ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں بتقاضائے فطرت سلیمہ بیت اللہ کی جانب رخ کرکے نمازیں ادا کرتے تھے گو اللہ تعالی کی جانب سے آپ کو کسی رخ کا پابند نہیں کیا گیا تھا، اسی دوران جبریل امین آپ کو نماز پڑھانے کیلئے آئے تو انہوں نے بھی آپ کے میلان کے فطری تقاضے کے مطابق بیت اللہ کی جانب رخ کرکے

نمازیں پڑھائیں۔ بعد ازیں ہجرت سے تین سال پیشتر آپ کو نمازوں میں بیت المقدس کی جانب رخ کرنے کا حکم ہوا چونکہ آپ کا فطری میلان بیت اللہ ہی کی طرف تھا اسلئے آپ نماز میں بیت المقدس کی جانب اس انداز سے رخ کرتے کہ درمیان میں بیت اللہ ہوتا لیکن جب آپ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے تو اب (جمع کرنے کی) ایسی صورت ممکن نہ رہی کیونکہ دونوں جہتیں بالمقابل ہو گئی تھیں لہذا آپ نے حکم خداوندی پر عمل کیا اس دوران آپ کا دلی تقاضہ یہی رہا کہ اللہ تعالی کی طرف سے بیت اللہ کی جانب رخ کرنے کا حکم ہو جائے کیونکہ آپ ملت ابراہیمی کے اصولوں کے احیاء واشاعت کے لئے بھی مبعوث ہوئے تھے۔

بالآخر سترہ ماہ کے بعد مدینہ منورہ میں بیت اللہ کی جانب دوران نماز متوجہ ہونے کا حکم آگیا اور واقعہ یہ ہوا کہ ایک صحابی کی رحلت و وفات پر آپ ان کے مکان پر تشریف لے گئے، یہ مکان مسجد نبوی سے تین میل کے فاصلے پر تھا۔ وہاں نماز ظہر کا وقت ہونے پر آپ نے اسی محلہ کی مسجد میں جسکو مسجد بنی سلمہ کہا جاتا ہے، نماز ظہر ادا کی، ابھی آپ تیسری رکعت کے رکوع میں گئے ہی تھے کہ قبلہ کی تبدیلی کا حکم نازل ہو گیا چنانچہ بقیہ نماز آپ نے بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو کر ادا کی، لہذا اس دن، اس مسجد میں نماز ظہر دو قبلوں کی جانب ہونے کی وجہ سے مسجد کا نام "مسجد ذو قبلتین" ہو گیا۔

الغرض امام بخاری "عند البیت" کے لفظ سے دو باتوں کی جانب اشارہ کر رہے ہیں ایک یہ کہ جب بیت اللہ میں ہوتے ہوئے بیت المقدس کی جانب رخ کر کے ادا کی جانے والی نمازیں ضائع نہیں ہوئیں تو مدینہ منورہ میں آکر بیت المقدس کی جانب متوجہ ہو کر پڑھی جانے والی نمازیں بطریق اولی ضائع نہیں ہوئیں اور دوسری بات یہ ہے کہ بیت المقدس کی جانب رخ کرنے کا حکم ہجرت سے قبل ہی مکہ مکرمہ میں ہو چکا تھا (۱۵۳)

حدثنا عمرو بن خالد قال: حدثنا زهير قال حدثنا ابواسحاق عن البراء ان النبى صلى الله عليه وسلم كان اول ما قدم المدينة نزل على اجداده او قال: اخواله من الانصار و

انه صلی قبل بیت المقدس ستة عشر شهرا او سبعة عشر شهرا و کان یعجبه ان تکون قبلته قبل البیت و انه صلی اول صلاة صلاها صلاة العصر و صلی معه قوم فخرج رجل ممن صلی معه فمر علی اهل مسجد و هم راکعون فقال: اشهد بالله لقد صلیت مع رسول الله صلی الله علیه وسلم قبل مکة فداروا کماهم قبل البیت و کانت الیهود قد اعجبهم اذ کان یصلی قبل بیت المقدس و اهل الکتاب فلما ولی وجهه قبل البیت انکروا ذلک قال زهیر: حدثنا ابواسحاق عن البراء فی حدیثه هذا انه مات علی القبلة قبل ان تحول رجال و قتلوا فلم ندر ما نقول فیهم فأنزل الله تعالی و ماکان الله لیضیع ایمانکم.

ترجمہ: براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ جب پہلے مدینہ میں تشریف لائے تو اپنے ننھیال یا ممیال میں اترے جو انصاری لوگوں میں تھے اور آپ سولہ یا سترہ مہینے تک (مدینہ میں) بیت المقدس کی طرف (منہ کرکے) نماز پڑھتے رہے اور آپ یہ پسند کرتے تھے کہ آپ ﷺ کا قبلہ، کعبہ کی طرف ہوجائے اور پہلی (مکمل) نماز جو آپ نے کعبے کی طرف پڑھی وہ عصر کی نماز تھی اور آپ کے ساتھ اور لوگ بھی تھے ان میں ایک شخص جو آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ چکا تھا ایک مسجد والوں پر سے گزرا وہ رکوع میں تھے (بیت المقدس کی طرف منہ کئے ہوئے) اس شخص نے کہا میں اللہ کا نام لے کر گواہی دیتا ہوں کہ میں نے (ابھی) آنحضرت ﷺ کے ساتھ کعبے کی طرف نماز پڑھی یہ سنتے ہی وہ لوگ نماز ہی میں کعبے کی طرف پھر گئے اور جب آپ ﷺ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھا کرتے تھے تو یہودی اور دوسرے کتاب والے (نصاری) خوش تھے جب آپ ﷺ نے اپنا منہ کعبے کی طرف پھیر لیا تو انہوں نے برا مانا۔ زہیر نے کہا ہم

Marfat.com

سے ابواسحاق نے بیان کیا انہوں نے براء سے اسی حدیث میں روایت کیا ہے کہ قبلہ بدل جانے سے پہلے کچھ لوگ مر گئے تھے جو (گذشتہ) قبلے ہی کی طرف نماز پڑھتے رہے اور کچھ شہید ہو گئے تھے ہم نہ سمجھے کہ ان کے حق میں کیا کہیں (ان کو نماز کا ثواب ملا یا نہیں) تب اللہ تعالی نے یہ آیت اتاری "اللہ ایسا نہیں ہے جو تمہارا ایمان اکارت کردے" (یعنی تمہاری نماز)

توضیح: حضرت براء بن عازب انصاری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ جب پہلی مرتبہ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے سب سے پہلا قیام اپنے ننھیال میں کیا (انصار کے قبیلے بنو نجار کے خاندان میں آپ کے پردادا ہاشم کی شادی ہوئی نیز آپ کی رضاعی والدہ حلیمہ کا تعلق بھی انصار سے تھا) اور آپ سولہ یا سترہ ماہ تک مدینہ میں بیت المقدس کی جانب متوجہ ہو کر نمازیں ادا کرتے رہے، یہاں روایت شک کے ساتھ ہے جبکہ صحیح مسلم میں سولہ ماہ کی روایت بغیر کسی شک کے مروی ہے، بعض علماء نے سولہ اور سترہ ماہ کی روایتوں میں تطبیق یوں دی ہے کہ آپ کی مدینہ منورہ آمد ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی جبکہ اگلے سال ۱۵ رجب کو قبلہ کی تبدیلی کا حکم آیا تو کل سولہ ماہ تین دن ہوئے، اب اگر آپ کی آمد کے مہینہ اور تبدیلی قبلہ کے مہینہ کو ایک شمار کرلیا جائے تو سولہ ماہ اور علیحدہ علیحدہ شمار کئے جائیں تو سترہ ماہ ہوتے ہیں (۱۵۴)

اس دوران آپ کی دلی آرزو تھی کہ آپ کا قبلہ بیت اللہ ہو جائے، چنانچہ تحویل قبلہ کی شوق میں آپ کی نظریں بار بار آسمان کی طرف اٹھ اٹھ جاتی تھیں کہ شاید وحی آجائے (۱۵۵)۔

تحویل قبلہ کے بعد آپ نے پہلی نماز جو ادا کی تھی وہ نماز عصر تھی اور اس نماز میں کئی ایک صحابہ بھی آپ کے ساتھ شریک تھے، ان میں سے عباد بن بشر بن قیظی رضی اللہ عنہ کا بعد میں مسجد بنی حارثہ (یا مسجد قباء) سے گزر ہوا تو وہاں کے لوگ نماز عصر میں مصروف تھے، انہوں نے حلفیہ خبر دی کہ انہوں نے ابھی رسول اکرم ﷺ کی امامت میں بیت اللہ کے رخ نماز ادا کی ہے، یہ سنتے ہی وہ لوگ نماز کی حالت میں ہی

بیت اللہ کی جانب گھوم گئے، گو اس میں عمل کثیر ہے جس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے لیکن اس امر کا امکان موجود ہے کہ اس وقت اس کی اجازت ہو جیسے گفتگو کی اجازت تھی، یہاں خبر واحد (ایک شخص کی خبر) سے ایک قطعی حکم (بیت المقدس کی سمت نماز کی ادائیگی کے حکم) کو اس بناء پر منسوخ مان لیا گیا کہ یہاں خبر واحد کے ساتھ قرائن بھی تھے یعنی صحابہ کرام کو معلوم تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو تحویل قبلہ کا شدت سے انتظار و اشتیاق ہے(۱۵۶) علاوہ ازیں مسجد بنی حارثہ (یا مسجد قباء) میں نماز ادا کرنے والے حضرات کے عمل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی حکم کے منسوخ ہوجانے کے بعد ناسخ کے علم نہ ہونے تک اس پر عمل درست ہے، اسی بناء پر ان حضرات نے از سر نو نماز ادا نہیں کی۔

جب آپ بیت المقدس کی سمت نماز ادا کرتے تھے تو یہود و نصاری اس سے بہت خوش ہوتے تھے کیونکہ یہود کا قبلہ بیت المقدس ہے اور نصاری کا قبلہ بیت اللحم ہے جو حضرت عیسی علیہ السلام کی جائے پیدائش ہے (بیت المقدس کی طرف رخ کرنے سے بیت اللحم کی طرف بھی رخ ہوتا ہے) جبکہ بنی اسماعیل کا قبلہ بیت اللہ ہی رہا ہے اس بناء پر بھی آپ کا فطری میلان بیت اللہ کی جانب تھا۔

تحویل قبلہ کے بعد بعض صحابہ کو اپنے ان دس گیارہ ساتھیوں کے بارے میں جن کی اس سے قبل طبعی وفات ہو گئی تھی یا انفرادی طور پر جام شہادت نوش کر گئے تھے (جیسے حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا وغیرہا) یہ خلجان ہوا کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ اسی نوعیت کا خلجان صحابہ کرام کو اس وقت بھی پیش آیا جب شراب کی حرمت کا فیصلہ نازل ہوا، یوں تو کئی ایک واقعات ہوئے جن میں کوئی حکم منسوخ ہوا اور اس پر انتقال کرنے والوں کا عمل تھا لیکن صحابہ کرام کو خلجان صرف مذکورہ بالا دو واقعات میں پیش آیا، شیخ الہند نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ ان دونوں واقعات میں حتمی طور پر پہلا حکم منسوخ ہونے سے قبل ہی قرائن و علامات سے صحابہ کرام کو یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ عنقریب نیا حکم آنے والا ہے اور اس کے باوجود وہ پرانی روش پر عمل کرتے رہے یہاں تک کہ ان میں سے بعض کا انتقال ہوگیا اور یوں انہیں ناسخ حکم پر عمل کرنے کی

Marfat.com

نوبت ہی نہیں آئی، گو یہ بات بظاہر معمولی سی ہے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے منصب کے شایان شان اس کو محسوس کیا چنانچہ دونوں واقعات میں اطمینان قلب کے لئے آیات نازل ہوئیں (۱۵۷)

نماز در حقیقت اصلاح نفس کیلئے مجاہدہ کا نام ہے، کیونکہ جب صاحب ایمان اللہ تعالی کے سامنے اپنی حرکات و سکنات سے انتہائی عاجزی اور خشوع کا اظہار کرتا ہے تو اس سے طبیعت میں تواضع و انکساری کی صفت پیدا ہوتی ہے جس سے کئی اخلاقی مفاسد کا انسداد ہوجاتا ہے، جبکہ اس کے برعکس تکبر اور اپنی بڑائی جتانے یا اپنے تئیں اپنے آپکو بالاتر سمجھنے کے رویہ سے معاشرے میں بدامنی کو راہ ملتی ہے، اسی کے نتیجہ میں بیہودہ گوئی، ریاکاری، غیبت، حسد، فریب دہی اور خونریزی جیسے جرائم فروغ پاتے ہیں، حب جاہ کے نتیجہ میں پنپنے والے ان عیوب کو "منکر" سے تعبیر کیا جاتا ہے، اسی طرح تکبر اور دوسروں کو کمتر سمجھنے کے رویہ سے حرص و ہوس کو راہ ملتی ہے اور اسی کے نتیجہ میں لوٹ مار، رشوت، لالچ، بدکاری اور سرمایہ پرستی جیسے جرائم پنپنے لگتے ہیں، جن کو "فحش" سے تعبیر کیا گیا ہے، اور نماز کی خاصیت منکر و فحش سے روکنا ہے، الغرض نماز کے عمل میں انسانی نفس کی اصلاح کا تیر بہدف نسخہ موجود ہے، لیکن ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو اس عبادت کو اپنی ریاکاری کے ذریعہ نفسانی خواہشات کا ذریعہ بنالیتے ہیں، ایسے لوگ "ویل" (تباہی و بربادی) کے لائق ہیں۔ در حقیقت ایسے افراد کے دلوں میں اللہ تعالی کی عظمت کی جگہ اپنے نفس کی بڑائی نے جڑیں قائم کی ہوئی ہوتی ہیں۔

نماز کی حقیقت تو یہ ہے کہ اس کے ہر ہر کلمہ سے اللہ تعالی کی عظمت، اسکے مرتبہ کی بلندی، اس کی حمد و ثناء اس کی تقدیس و تمجید اور اس کی ہمہ قسم کی برزگیوں کا اظہار ہوتا ہے، اور ان امور کا دل کی گہرائیوں سے اعتراف کیا جائے تو یقیناً عظمت خداوندی دل کے رگ و ریشہ میں پیوست ہوگی اور اس کے نتیجہ میں نفس کی بے وقعتی پیدا ہوگی جس سے حق کے آگے جھکنے (تواضع) کی صفت کو جلاء ملے گی اور یوں قناعت، سیر چشمی، انسانی جان و مال کے تحفظ، حق گوئی، باہمی محبت، انسانوں کی

Marfat.com

خیر خواہی، ایثار، حقوق کی ادائیگی، انسانی آبرو کی حفاظت اور دانشمندی و شعور کے رویوں کی آبیاری ہوگی۔

نماز اصلاح نفس کے علاوہ اجتماعیت کے قیام کا بھی ذریعہ ہے، وہ مسجد کے فرش پر اجتماعیت کی تعلیم دیکر تمام روئے زمین پر جوامت کیلئے مسجد عمومی کی حیثیت رکھتی ہے، اجتماعیت کی جانب متوجہ کردیتی ہے اور یوں نماز کی خلافت صغری سے خلافت کبری کا دروازہ کھل جاتا ہے، اگر نماز میں یہ اجتماعی شان نہ ہوتی اور وہ عبادت خداوندی میں مصروف کرکے انسان کو انسانی حقوق کے قیام سے لاتعلق کردیتی تو شاید وہ اسلامی عبادت ہی نہ کہلاتی کیونکہ اس کا نتیجہ وہی رہبانیت اور مردم بیزاری نکلتا ہے جسے ختم کرنے اور اس کی جگہ عبادت و ہدایت تک میں اجتماعیت پیدا کرنے کیلئے اسلام دنیا میں آیا تھا۔

سب سے پہلے انسان کو خانگی خلوت سے نکال کر اسے مساجد تک سفر کرایا گیا تاکہ وسعت ظرف اور وسعت نظر پیدا ہو چنانچہ ہفتہ بھر محلہ کی مسجد، ہفتہ میں ایک روز شہر کی جامع مسجد، سال بھر میں دو مرتبہ شہر سے باہر نکل کر عید گاہ اور عمر بھر میں ایک مرتبہ گھر، محلہ، شہر، ملک حتی کہ بسااوقات براعظم چھوڑ کر مسجد حرام تک جانے کا تدریجی عمل اختیار کیا گیا، پھر مسجد تک ہی پہنچانے پر کتفاء نہیں کیا گیا بلکہ نماز باجماعت کی جانب پیش قدمی کی گئی اور اسکو سنت ہدایت قرار دیا گیا جبکہ اس کے ترک کرنے کو نفاق کی علامت قرار دیا گیا، اسی جماعت میں ایک امام کی اقتداء میں جمع کرکے انہیں مرکزیت پیدا کردی گئی پھر صفوں کی یکسانیت کے ذریعہ مساوات پیدا کردی گئی، اس کے علاوہ اس میں شیطانی مکر و فریب کے خلاف جہاد کا عمل موجود ہے اور اگر اس سے نمازی کی طبیعت جہاد حسی (قتال و جنگ) کی طرف منتقل ہوجائے اور وہ اس کی ترتیب و تشکیل پر غور کرنے لگے تو قطعاً کوئی نامناسب امر نہیں کیونکہ نماز اور جہاد کے عمل میں مکمل ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ شاید اسی لئے خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جنگ سے متعلقہ ضروری امور نماز میں سوچ لیتا ہوں۔

الغرض نماز ایک طرف تو اللہ تعالی سے ملاتی ہے تو دوسری طرف انسانوں سے

Marfat.com

رابطہ قائم کراتی ہے، ایک طرف انفرادیت اور یکسوئی سکھاتی ہے تو دوسری طرف اجتماعیت کی جانب راہنمائی کرتی ہے، ایک طرف سلامتی کی تعلیم دیتی ہے تو دوسری طرف جنگ کی تربیت دیتی ہے، ایک طرف اصلاح نفس کرتی ہے تو دوسری طرف اجتماعی نظام کا پابند اور نظم وضبط قائم کراتی ہے (نماز میں جمعیت، جامعیت اور اجتماعیت کے پہلوؤں سے مزید واقفیت کیلئے مولانا قاری محمد طیب کی حکیمانہ تصنیف "فلسفۂ نماز" کا مطالعہ کیجئے)

انسان کے اسلام کی خوبی

باب حسن اسلام المرء

قال مالک اخبرنی زید بن اسلم ان عطاء بن یسار اخبره ان اباسعید الخدری اخبره انه سمع رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول (اذا أسلم العبد فحسن اسلامه یکفر الله عنه کل سیئة کان زلفها و کان بعد ذلک القصاص الحسنة بعشر امثالها الی سبعمائة ضعف و السیئة بمثلها الا ان یتجاوز الله عنها.

ترجمہ: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے جب کوئی بندہ مسلمان ہوجائے پس اچھی طرح مسلمان ہو تو اللہ اس سے ہر وہ گناہ اتار دے گا جو وہ (اسلام سے پہلے) کرچکا تھا اور اس کے بعد حساب شروع ہوگا ایک نیکی کے بدلے ویسی دس نیکیاں سات سو نیکیوں تک (لکھی جائیں گی) اور برائی کے بدل ویسی ہی ایک برائی (لکھی جائے گی) سوائے اس کہ اللہ اس کو معاف کردے۔

Marfat.com

توضیح: یہاں امام بخاری دو قسم کے نظریات کی تردید کر رہے ہیں، پہلے حصہ میں ایمان میں کمی و بیشی کے منکرین مثلاً مرجئہ کی تردید ہے کہ حسن، اسلام کا وصف ہے اور حسن میں چونکہ مراتب ہوتے ہیں لہذا اسلام میں بھی درجات ہوں گے، پھر جب ان کا اختیار کرنا وجہ حسن ہے تو ان کا ترک کرنا موجب نقصان ہوگا جبکہ دوسرے حصہ میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ برائی و بدی جتنی عمل میں آتی ہے اسی کے بقدر لکھی جاتی ہے لیکن اس سے کوئی گنہگار، اسلام سے خارج نہیں ہوتا، گویا خارجی و اعتزالی موقف مسترد قرار پایا۔

یہاں علماء دین میں ایک اختلاف رائے ہے (۱۵۸) کہ جمہور علماء کے ہاں اسلام قبول کرلینے سے زمانہ کفر کی تمام برائیاں اور گناہ بغیر کسی استثناء کے معاف ہوجاتے ہیں اور پھر از سر نو حساب و کتاب شروع ہوتا ہے جس میں برابر کے بدلہ اور مساوات کا قانون جاری ہوتا ہے، امام احمد بن حنبل کا موقف یہ ہے کہ اگر نو مسلم نے اسلام قبول کرلینے کے بعد دور کفر کے گناہوں کا اعادہ نہیں کیا تو اس صورت میں سابقہ گناہ معاف ہوجائیں گے اور اگر ان کا اعادہ کیا تو گزشتہ گناہوں کی پرسش ہوگی۔

جمہور کا استدلال اس ارشاد ربانی سے ہے کہ "کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر وہ (کفر سے) باز آجائیں تو ان کے پچھلے تمام گناہ معاف کردیئے جائیں گے" (۱۵۹) اور حدیث الباب سے بھی ان کا استدلال ہے تاہم یہ حضرات اس امر پر متفق ہیں کہ اگر نو مسلم نے قبول اسلام کے بعد بھی حسب سابق گناہوں اور جرائم کا ارتکاب کیا تو گو سزا صرف انہی اعمال پر ہوگی جن کا ارتکاب حالت اسلام میں ہوا لیکن سزا کی کیفیت میں ایسی شدت ہوگی کہ محسوس ہوگا کہ جاہلیت کے گناہوں کی سزا بھی دی جارہی ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث کا یہی مفہوم ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جو شخص سچے دل سے اسلام قبول کرتا ہے اسکو گزشتہ گناہوں کی سزا نہیں دیجائے گی اور جو قبول اسلام کے بعد بھی گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کا جاہلیت اور اسلام کے دونوں ادوار کے اعمال پر مواخذہ کیا جائے گا (۱۶۰) کیونکہ ایسے شخص کے عمل سے اس شبہ کو تقویت ملتی ہے کہ شاید اس نے

نئے سرے سے گناہ کرنے کے لئے اسلام بطور آڑ قبول کیا ہے لہذا اس کے اس خیال کے علی الرغم اسپر گرفت کی جائے گی۔

زیر نظر حدیث کی ایک روایت میں یہ جملہ بھی مذکور ہے کہ نو مسلم کے اعمالنامہ میں اس کے اسلام قبول کرنے سے پہلے کے اچھے اعمال بھی لکھے جائیں گے یعنی زمانہ قبل از اسلام کی تمام برائیاں تو معاف ہوجائیں گی تاہم اس زمانہ کی بھلائیاں نے اعمالنامہ کا حصہ بن جائیں گی۔ جو اس کے حق میں سودمند ثابت ہوں گی، دراصل نیکی کسی بھی شکل میں کسی بھی جانب سے ظہور پذیر ہو اپنا اثر رکھتی ہے، لہذا کافر کی نیکیاں بھی ضائع نہیں جاتیں، اس دنیا میں بھی ان کے نتائج ظاہر ہوتے ہیں مثلاً مال و دولت، اولاد اور آرام و آسائش کا مہیا ہونا، یعنی مادی ترقیات کی صورت میں وہ اعمال بار آور ہوتے ہیں، اسی طرح آخرت میں نیکیوں کا نتیجہ عذاب آخرت کی تخفیف کی صورت میں رونما ہوگا جیسا کہ حضرت ابوطالب کو رسول اکرم ﷺ سے انتہائی ذاتی محبت اور عملی حمایت کی وجہ سے معمولی عملی سرزنش کی جائے گی، یہ بات اللہ تعالی کے عدل و انصاف کے منافی ہے کہ ہر قسم کے کافر کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے خواہ اس نے دنیا میں عدل قائم کیا یا ظلم و ستم ڈھایا(۱۶۱)

حدثنا اسحاق بن منصور قال: حدثنا عبدالرزاق قال اخبرنا معمر عن همام عن أبی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم (اذا احسن احدكم اسلامه فكل حسنة يعملها تكتب له بعشر امثالها الى سبعمائة ضعف و كل سيئة يعملها تكتب له بمثلها)

ترجمہ: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اچھی طرح مسلمان ہو تو اس کے بعد جو نیکی کرے گا وہ دس گنے سے سات سو گنے تک لکھی جائے گی اور جو برائی کرے گا وہ ویسی ہی ایک لکھی جائے گی۔

Marfat.com

پسندیدہ ترین عمل
باب احب الدین الی اللہ ادومہ

گزشتہ ابواب میں جس طرح مراتب حسن اور مدارج یسر (آسانی کی منزلوں) کے اعتبار سے دین (امام بخاری کے ہاں دین اور ایمان ہم معنی ہیں) میں کمی و بیشی کی جانب اشارہ تھا، اب احب (زیادہ پسندیدہ) اور غیر احب (کم پسندیدہ) ہونے کے حوالے سے دین میں کمی و بیشی کا ذکر ہے، علاوہ ازیں گزشتہ باب میں حسن اسلام کے عمل سے متعلق ہونے کا تذکرہ تھا جبکہ اس باب میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ اعمال پر مداومت اور ہمیشگی سے ہی حسن اسلام وابستہ ہے اگرچہ مقدار کے حوالے سے اعمال کم ہوں۔

حدثنا محمد بن المثنی قال حدثنا یحیی عن هشام قال اخبرنی ابی عن عائشة (ان النبی صلی اللہ علیه وسلم دخل علیها و عندها امرأة قال: من هذه؟ قالت: فلانة تذکر من صلاتها قال: مه، علیکم بما تطیقون فواللہ لایمل اللہ حتی تملوا و کان احب الدین الیه مادام علیه صاحبه)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آنحضرت ﷺ ان کے پاس تشریف لائے وہاں ایک عورت (بیٹھی) تھی آپ ﷺ نے پوچھا یہ کون ہے۔ حضرت عائشہ نے کہا فلاں عورت ہے اور اس کی نماز کا حال بیان کرنے لگیں آپ نے فرمایا بس بس، وہ کام کرو جو (ہمیشہ) کر سکتے ہو کیونکہ قسم خدا کی اللہ تو (ثواب دینے سے) تھکے گا نہیں تم ہی تھک جاؤ گے اور اللہ تعالی کو وہ عمل بہت پسند ہے جس کا کرنے والا اس کو ہمیشہ کرے۔

توضیح: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم

ﷺ ان کے ہاں تشریف لائے اور اس وقت ایک عورت بھی ان کے پاس بیٹھی تھی جس کا نام خولاء بنت تُوَیت تھا، حضرت عائشہ نے آپ کو بتلایا کہ یہ وہ خاتون ہیں جو کثرت سے نمازیں ادا کرتی ہیں یا یوں کہا کہ ان کی نمازوں کا لوگوں میں چرچا ہے، یہ سن کر آپ نے فرمایا رک جاؤ، اگر آپ کا یہ ارشاد حضرت عائشہ سے تھا تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ منہ پر تعریف رہنے دو اور اگر خولاء کو مخاطب کیا تو مقصد یہ ہے کہ اس طرح عبادت میں غلو مت کرو بلکہ اتنی عبادت کرو جسے ہمیشہ نبھا سکو۔

بعد ازیں آپ نے ارشاد فرمایا بخدا اللہ تو اجر و ثواب عطا کرنے سے نہیں رکے گا تم ہی عبادت کرنے سے اکتا جاؤ گے۔ حدیث میں "ملال" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی عمل کو اہتمام سے شروع کرنے کے بعد اکتاہٹ، ناپسندیدگی اور تنگ دلی کے باعث ترک کر دینا، چونکہ ملال کا نتیجہ کسی کام کو ترک کرنے اور چھوڑنے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، اس لئے ان معنوں میں ہی ملال کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہے (۱۶۲) علاوہ ازیں یہاں علم بلاغت کی "صنعت مشاکلت" بھی ہے کہ "ملال" کی نسبت لوگوں کی طرف تھی لہذا جواب میں اسی لفظ کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی، گو مفہوم مختلف ہے جیسے قرآن حکیم میں ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے حالانکہ بدلہ بذات خود برائی نہیں ہے، نیز قرآن حکیم ہی میں منافقین کے اس قول پر کہ ہم تو مسلمانوں سے استہزاء کرتے ہیں (یعنی ان کا مذاق اڑاتے ہیں) کے جواب میں ارشاد ہے کہ اللہ ان سے استہزاء کرتا ہے (یعنی انہیں ان کے اس عمل استہزاء کا بدلہ دے گا) (۱۶۳)

آخر میں آپ نے اس عمل خیر کو اللہ تعالیٰ کا محبوب اور پسندیدہ قرار دیا جس میں تسلسل اور مداومت ہو کہ اس سے درحقیقت اللہ سے تعلق کا اظہار ہوتا ہے اور خودغرضی کی نوعیت بھی نہیں رہتی، الغرض آپ نے عبادت میں غلو اور انتہاء پسندی کو ناپسند کیا ہے کیونکہ اس کا آخری انجام یہی ہوتا ہے کہ انسان بعد میں رد عمل کے طور پر دوسری طرف کی انتہاء پسندی یعنی بالکل عمل ترک کرنے کو اختیار کر لیتا ہے اس لئے زندگی میں سوچ و عمل کے اعتبار سے توازن اور اعتدال نہایت ضروری قرار پاتا

Marfat.com

ہے اور یہی تقاضائے فطرت ہے۔

ایمان میں کمی بیشی
باب زیادۃ الایمان و نقصانہ

گو امام بخاری نے "باب بنی الاسلام علی خمس" کے ذیل میں ایمان میں کمی و بیشی کا قول ذکر کیا تھا لیکن وہاں چونکہ اس مسئلہ کی تحقیق مقصود نہیں تھی اس لئے یہاں مستقل باب ذکر کر رہے ہیں تاکہ متعلقہ حدیث کے ذریعہ اپنا موقف واضح کر سکیں۔

اگرچہ امام بخاری کے ہاں ایمان و اسلام ہم معنی ہیں تاہم "باب بنی الاسلام علی خمس" میں زیادتی و کمی کی نسبت اسلام کی جانب تھی اور یہاں زیادۃ و نقصان کی نسبت ایمان کی طرف ہے۔

مزید برآں گزشتہ باب سے جس میں ان اعمال کے زیادہ پسندیدہ (احب) ہونے کا ذکر تھا جن پر مداومت کی جائے، باب ہذا کی مناسبت یہ ہے کہ اعمال خیر پر مداومت کرنے سے ایمان میں ترقی اور بڑھوتری ہوتی ہے اور اس میں کوتاہی سے ایمان میں کمی اور نقص آجاتا ہے۔

و قول اللّٰہ تعالی و زدناھم ھدی و یزداد الذین آمنوا ایمانا و قال الیوم اکملت لکم دینکم فاذا ترک شیئا من الکمال فھو ناقص.

(اور اللہ نے (سورہ کہف میں) فرمایا ہم نے ان کو اور زیادہ ہدایت دی اور (سورۂ مدثر میں) ایمانداروں کا ایمان اور بڑھے اور (سورۂ مائدہ میں) آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین پورا کیا اور (قاعدہ ہے) پورے میں سے کوئی کچھ چھوڑ دے تو وہ ادھورا رہ جاتا ہے۔)

امام بخاری نے ایمان میں کمی بیشی ثابت کرنے کے لئے تین آیات ذکر کی ہیں

Marfat.com

جن میں سے دو کتاب الایمان کے آغاز میں بھی مذکور ہوئیں، اور ان سے استدلال کی نوعیت وہاں ملاحظہ کی جا سکتی ہے جبکہ تیسری آیت (سورۂ مائدہ آیت نمبر ۳) سے جس کا مفہوم یہ ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے آج (۹ ذی الحجہ ۱۰ھ) انسانیت کے لئے دین کو کامل و مکمل کر دیا، ان پر اپنی نعمت تمام کر دی اور اسلام کو ان کے لئے بطور دین پسند کر لیا" امام بخاری کا استدلال یوں ہے کہ قاعدے اور ضابطے کی بات ہے کہ جب کامل اور پوری چیز میں سے کچھ چھوڑ دیا جائے تو وہ ادھوری اور نامکمل ہوتی ہے، جبکہ آیت سے معلوم ہوا کہ اس سے پہلے دین مکمل نہیں ہوا تھا لہذا دین میں کمی و بیشی ثابت ہو گئی، لیکن اس سے یہ اخذ کرنا درست نہیں کہ ابتداء اسلام میں جن اصحاب کا انتقال ہو گیا تھا وہ دینداری کے حوالے سے ناقص تھے کیونکہ اس وقت جن احکام کے وہ مخاطب اور مکلف تھے، ان پر وہ مکمل طور پر عمل پیرا تھے اور اس وقت جس قدر دین موجود تھا انہوں نے اس میں سے کچھ بھی کم نہیں کیا تھا۔

آیت بالا میں اکمال دین کا مطلب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے مطابق یہ ہے کہ دین کے تمام اصولی احکام کو مکمل کر دیا گیا، اب نہ اس میں کسی اضافہ کی گنجائش باقی ہے نہ منسوخ ہو کر کمی کا احتمال ہے، کیونکہ اس کے بعد ہی متصلاً سلسلۂ وحی رسول اکرم ﷺ کی رحلت کے ساتھ منقطع ہونے والا تھا اور بغیر وحی الٰہی کے قرآن کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہو سکتا اور اصول اجتہاد کے تحت بظاہر احکام کا جو اضافہ فقہاء و مجتہدین کی طرف سے ہوا ہے وہ درحقیقت اضافہ نہیں بلکہ احکام قرآنی کی توضیح و تشریح اور معروضی تعبیر ہے۔

اور اتمام نعمت سے مراد مسلمانوں کا بین الاقوامی غلبہ اور عروج اور ان کے مخالفین کا مغلوب و مفتوح ہونا ہے جس کا آغاز مکہ مکرمہ کی فتح اور رسوم جاہلیت کے مٹانے سے اور اُس سال حج میں کسی مشرک کے شریک نہ ہونے کے ذریعے ہوا (۱۶۴)

حدثنا مسلم بن ابراهيم قال حدثنا هشام قال حدثنا قتادة عن انس عن النبى صلى الله عليه وسلم قال (يخرج من النار من قال: لا اله الا الله و فى قلبه وزن شعيرة من خير، و يخرج

Marfat.com

من النار من قال لا اله الا الله و فی قلبه وزن برة من خیر و یخرج من النار من قال: لا اله الا الله و فی قلبه وزن ذرة من خیر) قال ابوعبدالله قال أبان حدثنا قتادة حدثنا انس عن النبی صلی الله علیه وسلم (من ایمان) مکان (من خیر)

ترجمہ: انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور اس کے دل میں جَو برابر بھلائی (ایمان) ہو تو وہ (ایک نہ ایک دن ضرور) دوزخ سے نکلے گا اور جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور اس کے دل میں گیہوں کے برابر بھلائی ہو تو وہ (ایک نہ ایک دن ضرور) دوزخ سے نکلے گا اور جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور اس کے دل میں ذرے برابر بھلائی ہو تو وہ (ایک نہ ایک دن ضرور) دوزخ سے نکلے گا امام بخاری نے کہا ابان نے اس حدیث کو روایت کیا اور کہا ہم سے قتادہ نے بیان کیا انہوں نے کہا ہم سے انس نے بیان کیا انہوں نے آنحضرت ﷺ سے، اس روایت میں من خیر کی جگہ من ایمان ہے۔

فائدہ: امام بخاری نے یہاں ایک متابع (۱۶۵) پیش کیا ہے کہ ابان نے قتادہ کے طریق سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے جس میں "من خیر" کی جگہ "من ایمان" کا لفظ مذکور ہے جس سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ یہاں خیر سے مراد عمل نہیں، ایمان ہے، علاوہ ازیں چونکہ قتادہ مدلس ہیں (۱۶۶) کہ اگر شیخ (استاد) سے سماع حدیث کی صراحت نہ ہو تو ان کا "عنعنہ" قبول نہیں ہوگا جبکہ یہ روایت "معنعن" ہے (۱۶۷) لہذا ابان کا متابع ذکر کرکے سماع حدیث کی تصریح کردی لیکن اس کی روایت باب میں ذکر نہیں کی کیونکہ ہشام کا مقام ثقاہت ابان سے بہت بلند ہے (۱۶۸)

امام بخاری نے یہاں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث اور "باب تفاضل اھل الایمان" میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے گو دونوں کا مضمون کم و بیش ایک ہے لیکن امام بخاری نے الگ الگ عنوان قائم کئے ہیں پھر بظاہر ہونا یہ چاہئے کہ باب تفاضل اہل الایمان فی الاعمال میں حضرت انسؓ کی حدیث

Marfat.com

ذکر کی جاتی کہ اسمیں خیر کا لفظ ہے جس کا اطلاق عمل پر ہوتا ہے اور باب زیادۃ الایمان و نقصانہ میں حضرت خدری رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی جاتی ہے کہ اس میں ایمان کا لفظ مذکور ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے سامنے دونوں حدیثوں کے تفصیلی طرق ہیں جن کی روشنی میں یہ امر واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تصدیق قلبی سے بحث نہیں بلکہ اس میں اعمال کے فوق مراتب کی گفتگو ہے چنانچہ صحیح مسلم میں آمدہ اس حدیث کے تفصیلی طرق میں صلوٰۃ، صوم اور عمل وغیرہ جیسے الفاظ موجود ہیں جبکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے تفصیلی طریق سے اس امر کی نشاندہی ہوتی ہے کہ اس میں اعمال میں کمی و بیشی کی بجائے نفس ایمان میں تفاضل کا مضمون ہے، اس سے امام بخاری کی وسعت نظر کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، علاوہ ازیں انہوں نے ہر دو جگہ متابع روایات ذکر کر کے احادیث کے مفہوم کی بھی وضاحت کردی ہے(۱۲۹)

حدثنا الحسن بن الصباح سمع جعفر بن عون حدثنا ابو العميس اخبرنا قيس بن مسلم عن طارق بن شهاب عن عمر بن الخطاب ان رجلا من اليهود قال له يا امير المؤمنين اية فى كتابكم تقرؤنها لو علينا معشر اليهود نزلت لاتخذنا ذلك اليوم عيدا، قال: اى آية؟ قال: اليوم اكملت لكم دينكم و اتممت عليكم نعمتى و رضيت لكم الاسلام دينا قال عمر: قد عرفنا ذلك اليوم و المكان الذى نزلت فيه على النبى صلى الله عليه وسلم و هو قائم بعرفة يوم جمعة)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک یہودی ان سے کہنے لگا اے امیر المؤمنین تمہاری کتاب (قرآن) میں ایک آیت ہے جس کو تم پڑھتے رہتے ہو اگر وہ آیت ہم یہود لوگوں پر اترتی تو ہم اس دن کو (جس دن وہ آیت اترتی) عید کا دن مقرر کرلیتے حضرت عمرؓ نے کہا وہ کونسی آیت ہے یہودی نے کہا یہ آیت "آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین پورا کیا اور اپنا احسان تم پر تمام کردیا اور اسلام کا دین تمہارے لئے پسند کیا" حضرت عمرؓ نے کہا ہم اس دن کو

Marfat.com

جانتے ہیں اور اس جگہ کو بھی جس میں یہ آیت آنحضرت ﷺ پر (اتری ہے) یہ آیت آپ ﷺ پر جمعہ کے دن اتری جب آپ ﷺ عرفات میں کھڑے تھے۔

توضیح: خلیفہ راشد امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے یہود کے ایک ممتاز عالم کعب احبار نے کہا کہ آپ کی کتاب یعنی قرآن حکیم میں ایک ایسی آیت ہے جس کی آپ تلاوت کرتے ہیں لیکن آپ کو اس کی قدر نہیں اور اگر یہ آیت ہم پر نازل کی جاتی تو ہم اس کے نازل ہونے والے دن میں عید منایا کرتے، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے دریافت کیا کہ کونسی آیت ہے؟ جواب میں الیوم اکملت لکم دینکم الخ کی آیت بتائی گئی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں اس آیت کے نزول کی جگہ، دن اور ساعت سب معلوم ہے، یہ آیت ۱۰ھ میں حجتہ الوداع کے موقع پر عرفہ کے روز (۹ذی الحجہ) جمعہ کے دن بوقت عصر نازل ہوئی جبکہ میدان عرفات میں رسول اکرم ﷺ کی اونٹنی کے گرد چالیس ہزار سے زیادہ صحابہ کا مجمع کثیر تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ یہاں اللہ تعالی نے خود عید مقرر کردی کہ عید کے دن اس آیت کو نازل کیا کہ جمعہ کا دن، ہفتہ کی عید ہے اور یوم عرفہ سال کی عید ہے کہ ایک مسلمانوں کی عید ہے تو دوسرا اہل اسلام کے لئے سب سے بڑا خوشی کا دن اور یہ یادگار تا قیامت رہے گی۔ الغرض ہماری عید رسمی یا وقتی اور ہنگامی نہیں بلکہ حقیقی اور دائمی ہے اور پھر خودساختہ نہیں بلکہ اللہ تعالی کی مقرر کردہ ہے اسی بناء پر تمام اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے اور اگر عید کا دن انسان ساختہ ہوتا تو چونکہ ہر قوم اپنی تہذیبی روایات کے مطابق خوشی کادن اور اس میں انجام دی جانے والی رسوم مقرر کرتی ہے، اس لئے ملت اسلامیہ میں خوشی کا دن مقرر کرنے پر اتفاق رائے نہ ہوتا اور یوں اجتماعیت، گروہیت میں بدل جاتی۔

زکوۃ

باب الزکاۃ من الاسلام

و قوله و ماامروا الا ليعبدوا الله مخلصين له الدين حنفاء و يقيموا الصلاة و يوٴتوا الزكوة و ذلک دين القيمة (۱۷۰)

(اللہ تعالیٰ نے (سورۂ بینہ میں) فرمایا حالانکہ ان کافروں کو یہی حکم دیا گیا کہ خالص اللہ ہی کی بندگی کی نیت سے یکسو ہو کر اس کی عبادت کریں اور نماز کو قائم کریں اور زکوۃ دیں اور یہی پکا دین ہے۔)

امام بخاری ایمان کی کمی و بیشی کے سلسلے میں بدن سے متعلق نیکی (جیسے نماز) ذکر کرنے کے بعد اب مال سے متعلق اعمال (جیسے زکوۃ) کا ذکر کرتے ہیں۔ یہاں انہوں نے جس آیت کو اپنے مقصد کے لئے پیش کیا ہے اسمیں اگرچہ نماز و زکوۃ دونوں کا ذکر ہے مگر یہاں ترجمہ (عنوان) میں صرف زکوۃ کا ذکر ہے کہ آیت کے دیگر اجزاء کے بارے میں امام صاحب پہلے ہی تراجم (عنوانات) قائم کر چکے ہیں۔ زکوۃ کے دین قیم میں داخل ہونے کی صراحت سے اس "ارجائی" نظریے کی تردید ہو جاتی ہے کہ اعمال خیر کی کوئی مستقل حیثیت نہیں ہے۔

حدثنا اسماعيل قال حدثني مالك بن انس عن عمة ابى سهيل بن مالك عن ابيه انه سمع طلحة بن عبيدالله يقول (جاء رجل الى رسول الله صلى الله عليه وسلم من اهل نجد ثائر الرأس يسمع دوى صوته و لايفقه مايقول حتى دنا فاذا هو يسأل عن الاسلام، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: خمس صلوات فى اليوم و الليلة. فقال هل على غيرها؟ قال: لا الا ان تطوع، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وصيام

رمضان، قال: هل علی غیره؟ قال: لا الا ان تطوع قال: و ذکر له رسول الله صلی الله علیه وسلم الزکاة قال: هل علی غیرها؟ قال: لا الا ان تطوع قال: فأدبر الرجل و هو یقول و الله لاأزید علی هذا و لا انقص قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: افلح ان صدق)

ترجمہ: طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے نجد والوں میں سے ایک شخص آنحضرت ﷺ کے پاس آیا سر پریشان یعنی اس کے بال بکھرے ہوئے تھے ہم بھن بھن اس کی آواز سنتے تھے اور اس کی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی یہاں تک کہ وہ نزدیک آن پہنچا جب معلوم ہوا کہ وہ اسلام کی بابت پوچھ رہا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا اسلام دن رات میں پانچ نمازیں پڑھنا ہے اس نے کہا بس اسکے سوا تو اور کوئی نماز مجھ پر نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا نہیں سوائے اس کے کہ تو نفل پڑھے آنحضرت ﷺ نے فرمایا اور رمضان کے روزے رکھنا اس نے کہا اور تو کوئی روزہ مجھ پر نہیں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں سوائے اس کے کہ تو نفل رکھے (تو اور بات ہے) طلحہ نے کہا اور آنحضرت ﷺ نے اس سے زکوۃ کا بیان کیا وہ کہنے لگا بس اور تو کوئی صدقہ مجھ پر نہیں ہے آپ ﷺ نے فرمایا نہیں سوائے اس کے کہ نفل صدقہ دے راوی نے کہا پھر وہ شخص پیٹھ موڑ کر چلا یوں کہتا جاتا تھا قسم خدا کی میں نہ اس سے بڑھاؤں گا نہ گھٹاؤں گا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر یہ سچا ہے تو اپنی مراد کو پہنچ گیا۔

توضیح: سرزمین عرب کے بلند حصے کو "نجد" نشیبی حصے کو "تہامہ" اور وسطی حصہ کو "حجاز" کہا جاتا ہے نجد کے باشندوں میں سے ایک شخص رسول اکرم ﷺ کے پاس اس حالت میں آیا کہ سفر کی وجہ سے اس کے بال پریشان و پراگندہ تھے اور وہ گنگنا رہا تھا، دور سے اس کی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی گنگنانے کی غالباوجہ یہ تھی کہ وہ چونکہ اپنی قوم کی نمائندگی کر رہا تھا، اس لئے ذمہ داری کے احساس کے تحت وہ آپ سے

Marfat.com

دریافت کرنے کے لئے سوالات دہرا رہا تھا تاکہ گفتگو کے وقت کوئی لغزش نہ ہو، اچانک یعنی اپنی ظاہری حالت کے برعکس غیر متوقع طور پر اسلامی اعمال کے متعلق دریافت کرنے لگا جو اس کی عقلمندی کا ثبوت تھا چنانچہ حضرت عمر فاروق اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے کہ ایسا سمجھدار اعرابی ہم نے بھی نہیں دیکھا(۱۷۱) سوال کے جواب میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اسلام دن رات میں پانچ نمازیں ادا کرنا ہے، اس کے بعد اس نے سوال کیا کہ اس کے علاوہ بھی میرے ذمہ کچھ ہے، آپ نے ارشاد فرمایا نہیں سوائے اس کے کہ نفل ادا کرو، جہاں تک وتر اور سنت مؤکدہ کی نمازوں کا تعلق ہے تو چونکہ وہ فرائض کو مکمل کرنے والی ہیں اس لئے ضمنی حیثیت میں پانچ وقتہ نمازوں میں داخل ہیں، اسی طرح اس نے زکوۃ اور روزوں سے متعلق سوال کئے، واضح رہے کہ صدقہ فطر تبعاً زکوۃ میں داخل ہے۔

آپ سے گفتگو کے بعد وہ شخص یہ کہتا ہوا واپس ہوا کہ میں اس سے زیادہ کروں گا نہ کم اس پر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ سچ کہہ رہا ہے تو کامیاب ہو گیا، دوسری روایت میں دخول جنت کا ذکر ہے، گویا کامیابی کا مفہوم متعین ہو گیا(۱۷۲)

یہاں ایک اہم ضابطہ معلوم ہوا جو کئی معاشی و معاشرتی امور میں بھی مفید ثابت ہو سکتا ہے کہ کسی کار خیر کے نہ کرنے پر قسم اٹھانا جائز ہے بشرطیکہ اس کے ترک کرنے کا مقصد سنت سے بے اعتنائی اور لاپرواہی نہ ہو۔

زکوۃ کی عبادت اس حقیقت کی نشاندہی کرتی ہے کہ دنیا میں تمام موجود اشیاء کی حقیقی ملکیت اللہ تعالی کے پاس ہے جس نے ان کو تخلیق کیا ہے، جبکہ اسکے خلیفہ کے طور پر اولاد آدم کا ان میں عمل دخل ہے، یوں دنیوی نقطۂ نظر سے وہ ان اشیاء کے مالک تصور کئے جاتے ہیں، کیونکہ ان اشیاء کی تخلیق سے مقصد ان کی ضروریات کی ہی تکمیل ہے اس لئے کوئی چیز بذات خود کسی فرد واحد یا کسی گروہ کی مخصوص ملکیت نہیں ہے بلکہ ہر چیز تمام انسانیت میں مشترک اور سب کی اس میں ایک لحاظ سے ملکیت ہے، تاہم کسی چیز پر مستقل اور مکمل قبضہ ہے تو دوسرے شخص کو اس میں دست درازی کی اجازت نہیں ہے لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ مال و دولت چند ہاتھوں میں جمع نہ

Marfat.com

ہوتی رہے، کیونکہ اسلام اس امر کو قطعاً گوارا نہیں کرتا کہ مال و دولت معاشرے میں گردش کرنے کی بجائے چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جائے اور معاشرہ مفلوک الحال ہوجائے اسی کو سرمایہ داری کہتے ہیں جو شرعی نقطۂ نظر سے حرام اور باطل اور سماجی نقطۂ نظر سے تباہ کئے جانے کے قابل ہے(۱۷۳) اس ضمن میں قرآن حکیم کی واضح تنبیہ ہے کہ جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کرکے رکھتے ہیں اور اسکو اللہ کی راہ میں نہیں خرچ کرتے، ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنادیجئے، جس دن اس مال پر جہنم کی آگ دہکائی جائے گی پھر اس سے پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا (اور کہا جائے گا) یہ وہ ہے جس کو تم ــ اپنے لئے جمع کر رکھا تھا پس اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو(۱۷۴)

اسی سرمایہ داری کے انسداد کیلئے اسلام نے قانون انفاق مقرر کیا ہے، جس کا ایک درجہ مکہ مکرمہ میں تھا، جسکو قرآن حکیم کی اصطلاح میں "عفو" سے تعبیر کیا گیا کہ ضرورت سے زائد مال خرچ کردیا جائے، رسول اکرم ﷺ جب مکہ مکرمہ میں تھے اور وہاں ایک اجتماعی حکومت (بصورت جماعت) قائم تھی تو اس حکومت نے مسلمانوں کو انفاق کے معاملے میں خود ان کی صوابدید پر چھوڑ کر اپنا نائب بنالیا تھا چنانچہ معاشرے کی مالی ضرورت کے مطابق انہیں حکم تھا کہ وہ ضرورت سے زائد مال اہل ضرورت میں خرچ کردیں کیونکہ اس وقت نہ تو بیت المال کی کوئی صورت تھی اور نہ ہی مال غنیمت جیسے دیگر ذرائع آمدن تھے۔ ہجرت کے بعد صورتحال تبدیل ہوگئی اور مکہ مکرمہ کی بنسبت خوشحالی آگئی اور مال غنیمت آنے لگا تو پھر زکوۃ میں از روئے حدیث ڈھائی فیصد حصے کا تعین ہوا(۱۷۵) تو گویا زکوۃ ایک خاص قانون کے تحت راہ خدا میں خرچ کرنے کا نام ہے جس سے معاشرے کی بہتری اور سماجی مقاصد وابستہ ہیں۔

قانون زکوۃ ایک ایسا لازمی قانون ہے جس پر معاشرے کی اجتماعی خوشحالی کے باوجود عمل درآمد ضروری ہے تاکہ ہمہ وقت یہ احساس زندہ رہے کہ انسان کے پاس موجود ملکیت، امانت کی حیثیت رکھتی ہے اور اس میں وہ فطری اصولوں اور شرعی قواعد کا پابند ہے، اور پھر یہ کہ اگر معاشرہ پر افتاد آن پڑے تو زکوۃ پر عمل کرنے کی سبب

وہاں خرچ کرنے میں کوئی دلی تنگی نہیں ہوگی، اس طرح انسان کے اندر بخل، لالچ اور سرمایہ پرستی کے امراض کا مستقل عملی علاج مقرر کردیا گیا ہے۔

اگر معاشرے میں قانون زکوۃ زیر عمل آنے کے باوجود تنگ دستی اور بدحالی موجود رہے تو پھر اسی قانون پر اکتفاء نہیں کیا جائے بلکہ ضروری ہوگا کہ انسداد افلاس کیلئے دیگر اجتماعی ضابطے روبہ عمل لائے جائیں تاکہ فرضیت زکوۃ کے مقاصد کی تکمیل ہوسکے، چنانچہ قرآن حکیم میں زکوۃ کی ادائیگی کے حکم کے ساتھ قرابت داروں، یتیموں اور ضرورت مندوں پر خرچ کی مد کا علیحدہ(۱۷۶) اور احادیث میں اس امر کی وضاحت موجود ہے کہ مال میں زکوۃ کے علاوہ بھی حقوق ہیں ذکر کیا گیا ہے(۱۷۷) گو ان کا تعین نہیں کیا گیا تاکہ عصری تقاضوں کے مطابق اجتماعی ضرورتوں کے حوالہ سے وقتی قوانین بنائے جاسکیں۔

جنازہ کے پیچھے چلنا ایمان کا حصہ ہے
باب اتباع الجنائز من الایمان

امام بخاری عمل خیر کے جزو ایمان ہونے کے موقف کو مزید واضح کر رہے ہیں کہ جنازے کے ساتھ جانا ایک عمل خیر ہے جو ایمان میں داخل ہے، علاوہ ازیں گزشتہ باب سے اس کی مناسبت یہ ہے کہ جس طرح زکوۃ سے ایک ضرورت مند کی معاشی ضروریات پوری ہوتی ہیں اسی طرح جنازے کے ساتھ جانے سے متوفی کو آخرت کے حوالے سے سہارا ملتا ہے اور اس کے اعزہ و اقرباء کی ڈھارس بندھتی ہے اور ان کا غم ہلکا ہوتا ہے۔

حدثنا احمد بن عبدالله بن علی المنجوفی قال حدثنا روح قال حدثنا عوف عن الحسن و محمد عن أبی هريرة رضی الله عنه أن رسول الله صلی الله عليه وسلم قال: (من اتبع

Marfat.com

جنازة مسلم ایمانا و احتسابا و کان معه حتی یصلی علیها و یفرغ من دفنها فانه یرجع من الاجر بقیراطین کل قیراط مثل احد و من صلی علیها ثم رجع قبل ان تدفن فانه یرجع بقیراط) تابعه عثمان المؤذن قال: حدثنا عوف، عن محمد عن أبی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم نحوه

ترجمہ: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو کوئی ایمان رکھ کر اور ثواب کی نیت سے کسی مسلمان کے جنازے کے ساتھ جائے اور نماز اور دفن سے فراغت ہونے تک اس کے ساتھ رہے تو وہ دو قیراط ثواب لے کر لوٹے گا، ہر قیراط اتنا بڑا ہوگا جیسے احد کا پہاڑ اور جو شخص جنازے پر نماز پڑھ کر دفن سے پہلے لوٹ جائے تو وہ ایک قیراط ثواب لے کر لوٹے گا۔

توضیح: جو شخص اللہ پر ایمان کے عقیدہ کے تحت اور اجر و ثواب کے حصول کی نیت سے کسی مسلمان کے جنازے کے ساتھ چلا یعنی محض معاشرتی رسم و رواج کی بناء پر نہیں کہ اس میں ریاکاری کا عنصر شامل ہوتا ہے اور نماز جنازہ میں شرکت کے بعد تدفین تک ساتھ رہا تو وہ دو قیراط اجر و ثواب کا مستحق ہوتا ہے اور اگر کوئی شخص نماز جنازہ میں شرکت کے بعد تدفین سے قبل آجائے تو اس کو ایک قیراط کے بقدر ثواب ملتا ہے۔

قیراط سے مقصود دنیا کا قیراط نہیں جو تقریباً دو رتی کا ہوتا ہے بلکہ اس کی مقدار جبل احد کے ہم وزن ہے۔

یہ دین اسلام کی امتیازی خوبی ہے کہ وہ ایسا معاشرہ تشکیل دیتا ہے جس میں افراد نہ صرف زندگی میں ایک دوسرے کے حقوق کا احترام کرتے ہیں اور جذبۂ ایثار سے سرشار رہتے ہیں بلکہ موت کے بعد بھی ان کا برتاؤ اکرام و اعزاز کا ہی ہوتا ہے۔ اور یوں متوفی کے لواحقین اور پسماندگان کو اپنی بے بسی اور اجنبیت کا احساس شدت سے نہیں ستاتا۔

Marfat.com

صاحب ایمان کی احتیاط

باب خوف المؤمن من ان یحبط عمله و هو لایشعر و قال ابراهیم التیمی: ما عرضت قولی علی عملی الا خشیت ان اکون مکذبا، و قال ابن أبی ملیکة: ادرکت ثلاثین من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم کلهم یخاف النفاق علی نفسه مامنهم احد یقول انه علی ایمان جبریل و میکائیل، و یذکر عن الحسن: ماخافه الا مؤمن و لا أمنه الا منافق و مایحذر من الاصرار علی التقاتل و العصیان من غیر توبة لقول الله تعالی و لم یصروا علی مافعلوا و هم یعلمون.

(باب مومن کو ڈرنا چاہئے کہیں اس کے اعمال ضائع نہ ہوجائیں اور اس کو خبر نہ ہو اور ابراہیم تیمی نے کہا (جو واعظ تھے) میں نے اپنی گفتار کو جب اپنے کردار پر پیش کیا تو مجھ کو ڈر ہوا کہیں میں جھٹلایا نہ جاؤں اور ابن ابی ملیکہ نے کہا میں آنحضرت ﷺ کے تیس صحابہ سے ملا ان میں سے ہر ایک کو اپنے اوپر نفاق کا ڈر لگا ہوا تھا ان میں کوئی یوں نہیں کہتا تھا کہ میرا ایمان جبرئیل یا میکائیل کے ایمان کا سا ہے اور حسن بصری سے منقول ہے نفاق سے وہی ڈرتا ہے جو ایماندار ہوتا ہے اور اس سے نڈر وہی ہوتا ہے جو منافق ہوتا ہے اس باب میں آپس کی لڑائی اور گناہ پر اڑے رہنے اور توبہ نہ کرنے سے بھی ڈرایا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالی نے (سورہ آل عمران میں) فرمایا اور وہ اپنے (برے) کام پر جان بوجھ کر اڑا نہیں کرتے۔)

اس باب میں دو تراجم (عنوانات) ہیں ایک تو "خوف المومن ان یحبط عملہ وہو لایشعر" ہے یعنی مومن کو یہ اندیشہ رہنا چاہئے کہ کسی وقت بھی غفلت اور بے شعوری میں اس کا عمل اکارت نہ ہوجائے، اور دوسرا ترجمہ ہے "مایحذر من الاصرار علی التقاتل والعصیان من غیر توبۃ" یعنی ان امور کا ذکر جن سے صاحب

ایمان کو ضروری احتیاط برتنی چاہیئے مثلاً باہمی جنگ اور دیگر گناہوں پر اصرار کرنا اور توبہ نہ کرنا۔

گویا امام بخاری ان امور کے ذکر کے بعد جن سے ایمان مکمل ہوتا ہے ایمان کو نقصان پہنچانے والے اعمال کی وضاحت کر رہے ہیں اور اس سے مقصود بھی اس "ارجائی" نظریہ کا بودا پن ثابت کرنا ہے کہ ایمان کی موجودگی میں گناہوں اور معاصی کے ارتکاب سے کوئی نقصان نہیں ہوتا۔

باب کا پہلا ترجمہ (عنوان) اس آیت حکیمہ پر مبنی ہے جس میں حکم ہے کہ اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کیا کرو اور نہ بلند آواز سے رسول سے بات کیا کرو جیسا کہ تم ایک دوسرے سے گفتگو کیا کرتے ہو، کہیں (اس بناء پر) تمہارے اعمال ضائع ہوجائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو(۱۷۸)

آواز بلند کرنے کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ ہے کہ جس سے رسول اکرم ﷺ کو ایذاء ہو، واضح رہے آپ کو ایذاء و تکلیف دینا کفر ہے، اور کفر سے تمام نیک اعمال ضائع ہوجاتے ہیں، دوسری صورت یہ ہے کہ جس سے آپ کو ایذاء نہ ہو، اس سے اعمال اکارت نہیں جاتے تو گو ہر بلندیٔ آواز سے کفر اور اعمال کا ضائع ہونا لازم نہیں آتا لیکن چونکہ یہ تعیین مشکل ہے کہ آواز کی بلندی کی کس نوعیت سے اعمال ضائع ہوتے ہیں اور کس سے نہیں اور اگر یہ تعیین ہو بھی جائے تو بھی بے خیالی میں حد سے تجاوز کا امکان موجود ہے اس لئے مطلقاً آواز بلند کرنے سے منع کیا گیا ہے اور وجہ یہ بتلائی گئی ہے کہ بے خبری میں کہیں آواز اس طور پر بلند نہ ہوجائے جس میں ایذاء ہو جو کفر ہے اور جس سے تمام نیک اعمال ضائع ہوجائیں گے(۱۷۹) اس حکم سے رسول اکرم ﷺ کے مقام رفیع اور منصب عظیم کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

امام بخاری نے مذکورہ بالا عنوان کی وضاحت کے لئے کچھ اقوال ذکر کئے ہیں۔

Marfat.com

١۔ معروف عابد و زاہد اور واعظ تابعی ابراہیم تیمی کا قول ہے کہ میں نے اپنے گفتار و کردار کا جب بھی موازنہ کیا تو مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں میں جھوٹا نہ قرار دیا جاؤں، گویا ان کا اشارہ ان آیات کی طرف ہے جن میں حکم ہے "اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو جو تم نہیں کرتے، اللہ کے نزدیک نہایت ناپسندیدہ امر ہے جو کہو اسکو نہ کرو" (١٨٠)

امام بخاری نے ابراہیم تیمی کا قول اس لئے نقل کیا ہے کہ ان پر یہ الزام تھا کہ وہ اس نظریہ کے حامی ہیں کہ قبول ایمان کے بعد اعمال نیک و بد سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اس لئے ان کا قول، اس نظریہ کی تردید میں زیادہ موثر ہے۔

٢۔ ابن ابی ملیکہ کا قول ہے کہ میں رسول اکرم ﷺ کے تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملا، ان میں سے ہر ایک کو اپنے بارے میں نفاق کا اندیشہ تھا یعنی ہر شخص نفاق عملی سے ڈرتا تھا کہ کہیں وہ دوغلے پن اور دورنگی میں مبتلا نہ ہو، اس سے جہاں اعمال کو اہمیت نہ دینے والے نظریئے کا باطل ہونا واضح ہوتا ہے وہیں صحابہ کرام کی اس خوبی کا علم ہوتا ہے کہ وہ کسی وقت بھی خود احتسابی سے غافل نہیں ہوتے تھے، اور جس معاشرے میں افراد اپنا احتساب آپ کرتے ہوں وہاں قانون اور نظام کی عملداری کے معاشرے سے زیادہ پاکیزگی ہوتی ہے، بلکہ یہی کیفیت صحابہ کرام کے معاشرے کی تھی کہ وہاں نظام کے احتساب کی نوبت ہی نہیں آتی تھی کہ وہ خود ہی اپنا احتساب کرلیا کرتے تھے، لہذا صحابہ کرام کی سیرت و سوانح کا مطالعہ کرتے وقت اس امر کو بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہئے۔

ابن ابی ملیکہ مزید کہتے ہیں ان صحابہ میں کوئی یوں نہیں کہتا تھا کہ میرا ایمان جبرئیل و میکائیل جیسا ہے یعنی کیفیت ایمان میں مساوات کا کوئی قائل نہیں تھا، اور اس سلسلے میں کوئی بڑا بول نہیں بولتا تھا، تاہم یہ حقیقت ہے کہ جن امور کی تصدیق سے جبرئیل و میکائیل مومن ہوئے ہیں، انہی کی تصدیق سے ایک عام آدمی بھی صاحب ایمان کہلاتا ہے، گویا اس حوالہ سے ایمان میں مساوات ہو سکتی

ہے(۱۸۱)

۳۔ حسن بصری کا قول ہے کہ نفاق کا اندیشہ اسے ہی ہوتا ہے جو صاحب ایمان ہوتا ہے اور اس سے بے خوف اور نڈر وہی ہوتا ہے جو منافق ہو، دراصل مومن کی خوبی یہی ہے کہ اس کا ایمان امید وخوف کے درمیان ہوتا ہے، اس لئے اسے نہ تو اپنے اعمال خیر پر ضرورت سے زیادہ گھمنڈ اور بے اطمینان ہوتا ہے اور نہ ہی وہ غیر ضروری خوف و ہراس اور بے مقصد اندیشوں اور وسوسوں کو اپنے سر پر مسلط کرتا ہے۔

فائدہ۱: یہاں حسن بصری کا قول صیغہ مجہول (یُذکر) کے ساتھ منقول ہے، عموماً اس صیغے سے کسی چیز کا تذکرہ اس امر کی دلیل سمجھا جاتا ہے کہ اس کی سند میں ضعف ہے، لیکن امام بخاری کے ہاں اس کا استعمال محض ان معنوں میں ہی نہیں ہوتا بلکہ اگر وہ کسی متن کا بالمعنی ذکر کریں یا کسی قول کو اختصار کے ساتھ بیان کریں تب بھی یہ صیغہ استعمال کرتے ہیں چنانچہ یہاں وہ حسن بصری کے صحیح السند قول کو روایت بالمعنی کے طور پر اختصار کے ساتھ بیان کرنے سبب صیغہ مجہول لائے ہیں(۱۸۲)

باب کے دوسرے ترجمہ (عنوان) کے اثبات کیلئے امام بخاری نے دو احادیث ذکر کی ہیں ان میں چونکہ "اصرار" کا ذکر نہیں تھا اس لئے قرآن حکیم کی آیت ذکر کرکے اس کمی کو پورا کیا ہے جبکہ "من غیر توبتہ" اصرار کی تفسیر ہے۔

گناہوں پر اصرار کے نتیجہ میں قلب میں ظلمت یوں جاگزیں ہوجاتی ہیں کہ بسااوقات ایمان بھی جاتا رہتا ہے اور یوں انسان کفر و شرک کے نظریاتی الجھاؤ میں پھنس کر رہ جاتا ہے اس سلسلہ میں امام بخاری نے جو آیت قرآنی پیش کی ہے اسکا ترجمہ ہے کہ "وہ لوگ جو کوئی کھلا گناہ کر بیٹھیں یا اپنی ذات پر ظلم کریں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرتے ہیں اور اللہ کے علاوہ اور کون بخشنے والا ہے اور وہ جانتے بوجھتے اپنے کئے پر اصرار نہیں کرتے"(۱۸۳)

Marfat.com

حدثنا محمد بن عرعرة قال: حدثنا شعبة عن زبيد قال: سالت اباوائل عن المرجئة فقال: حدثنی عبدالله ان النبی صلی الله علیه وسلم قال (سباب المسلم فسوق و قتاله کفر)

ترجمہ: زبید بن حارث سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے ابووائل سے مرجئہ کے بارے میں پوچھا (جو کہتے ہیں گناہ سے آدمی فاسق نہیں ہوتا) انہوں نے کہا مجھ سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور مسلمان سے لڑنا کفر ہے۔

توضیح: زبید نے حضرت ابووائل شقیق بن سلمہ اسدی سے ارجائی نظریات کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ کہاں تک درست ہیں؟ انہوں نے جواب میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کو گالی دینا فسق و نافرمانی ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے۔

اس حدیث کے بیان کرنے سے مقصود اعمال کی اہمیت کو واضح کرنا اور اس نظریہ کی تردید ہے کہ ایمان کی موجودگی میں طاعت و معصیت سے کوئی فرق نہیں پڑتا اس حدیث سے اس کی نشاندہی ہوتی ہے کہ بعض گناہ فاسق بنادیتے ہیں اور بعض کفر تک پہنچادیتے ہیں، گو مسلمان کو گالی دینا اور اس سے لڑنا دونوں عمل معصیت ہیں لیکن حدیث میں دونوں کا فرق اصول بلاغت کی روشنی میں بتلایا گیا کہ "جب دو ایسی چیزیں ہوں جن کا حکم تو یکساں ہو لیکن ان میں مراتب و درجات کا نمایاں فرق ہو تو ایسی صورت میں ہر ایک کیلئے تعبیر میں ایسے الفاظ اختیار کئے جاتے ہیں جن سے فرق مراتب ظاہر ہو" ورنہ بصورتِ دیگر عوام الناس دونوں کو یکساں سمجھ سکتے ہیں اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ یہاں کفر سے اعتقادی کفر مراد نہیں بلکہ معاشرتی کفر ہے(۱۸۴)

حدیث بالا سے یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ اسلامی معاشرے میں نہ تو گالی گلوچ کی ریت ہوتی ہے اور نہ باہمی دنگافساد، گویا منفی پروپیگنڈہ، بے لگام بیان بازی، قتل و غارت اور فساد و انتشار فاسق و کافر معاشرے کی ہی سماجی برائیاں ہیں۔

Marfat.com

حدثنا قتيبة بن سعيد حدثنا اسماعيل بن جعفر عن حميد عن انس قال اخبرنى عبادة بن الصامت ان رسول الله صلى الله عليه و سلم خرج يخبر بليلة القدر فتلاحى رجلان من المسلمين فقال: انى خرجت لاخبركم بليلة القدر، و انه تلاحى فلان و فلان فرفعت و عسى أن يكون خيرا لكم، التمسوها فى السبع و التسع و الخمس.

ترجمہ: انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا مجھ کو خبر دی عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے کہ آنحضرت ﷺ (اپنے حجرے سے) نکلے (لوگوں کو) شب قدر بتانا چاہتے تھے (وہ کونسی رات ہے) اتنے میں دو مسلمان آپس میں لڑ پڑے آپ ﷺ نے فرمایا میں تو اس لئے باہر نکلا تھا کہ تم کو شب قدر بتلاؤں اور فلاں فلاں آدمی لڑ پڑے تو وہ (میرے دل سے) اٹھالی گئی اور شاید اسی میں کچھ تمہاری بہتری ہو تو (ایسا کرو) شب قدر کو (رمضان کی) ستائیسویں انتیسویں پچیسویں رات میں ڈھونڈو۔

توضیح: رسول اکرم ﷺ شب قدر کی بابت اطلاع دینے کیلئے باہر تشریف لائے تو مسجد نبوی میں کعب بن مالک رضی اللہ عنہ (قرض خواہ) اور عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ (مقروض) جھگڑ رہے تھے اور تکرار قرض کے بارے میں تھا آپ نے اس موقع پر کعبؓ سے فرمایا کہ نصف قرض معاف کردو، انہوں نے فوراً تعمیل کی پھر عبداللہؓ سے فرمایا کہ بقیہ قرض ادا کردو، اس طرح آپ نے اس نزاع کو باہمی رضامندی سے متوازن انداز میں نمٹادیا، لیکن اس دوران شب قدر سے متعلق بات آپ کے ذہن مبارک سے نکل گئی چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں تو اس لئے باہر نکلا تھا کہ تم کو یہ بتاؤں کہ شب قدر کب ہے؟ لیکن فلاں فلاں کے باہمی نزاع کی وجہ سے اس کا علم مجھ سے لے لیا گیا اور شاید اسی میں تمہاری بہتری ہو اور وہ یہ ہو سکتی ہے کہ لوگ زیادہ تندہی اور کوشش سے عبادت کریں گے۔

اس واقعہ سے یہ حقیقت بھی عیاں ہوتی ہے کہ ناپسندیدہ معاشرتی عمل سے

Marfat.com

روحانیت بھی متاثر ہوتی ہے اس لئے یہ خیال درست نہیں کہ فسادزدہ معاشرے میں رہتے ہوئے مکمل طور پر نیکی اور روحانیت کے تقاضے پورے کئے جاسکتے ہیں کیونکہ معاشرتی فساد ایسا ہمہ گیر عمل ہے کہ اس سے زندگی کا کوئی شعبہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اسی بناء پر آپ نے شبِ قدر جیسی روح پرور رات کی اطلاع پر معاشرتی ہم آہنگی کے عمل کو ترجیح دی اور دونوں حضرات کے باہمی قضیے کو حل کیا۔

حدیثِ جبرئیل

باب سوال جبريل النبى صلى الله عليه و سلم عن الايمان و الاسلام و الاحسان، و علم الساعة و بيان النبى صلى الله عليه وسلم ثم قال: جاء جبريل عليه السلام يعلمكم دينكم فجعل ذلك كله دينا و ما بين النبى صلى الله عليه وسلم لوفد عبدالقيس من الايمان و قوله تعالى و من يبتغ غير الاسلام دينا فلن يقبل منه. (۱۸۵)

(باب حضرت جبرئیل علیہ السلام کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنا ایمان کیا ہے اسلام کیا ہے، احسان کیا ہے قیامت جانتے ہو (کب آئیگی) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان باتوں کو ان سے بیان کرنا پھر یہ فرمانا کہ یہ جبریل علیہ السلام تھے جو تمہارا دین تم کو سکھانے آئے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب باتوں کو دین فرمایا اور (اس باب میں اس کا بھی بیان ہے) جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالقیس (قبیلے) کے پیغام پہنچانے والوں کو ایمان کے معنی بتلائے اور اللہ تعالیٰ نے (سورہ آل عمران میں) فرمایا اور جو کوئی اسلام کے سوا دوسرا کوئی دین چاہے تو ہرگز قبول نہ ہوگا اس کی طرف سے۔)

امام بخاری نے اس باب کے ذیل میں تین تراجم (عنوانات) قائم کئے ہیں۔
پہلے ترجمہ (عنوان) کے ذریعہ یہ واضح کر رہے ہیں کہ جبرئیل امین کے سوالات کے جواب میں آپ نے ایمان، اسلام اور احسان سے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے وہ تمام دین کا مصداق ہیں چنانچہ آخر میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ "یہ جبرئیل تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے" اور جبرئیل امین کی تعلیم دین میں ایمان، اسلام اور احسان سب شامل تھے۔

دوسرے ترجمہ (عنوان) کے ذریعے امام صاحب یہ بتا رہے ہیں کہ ایمان اور اسلام ہم معنی ہیں اور حدیث وفد عبد القیس اس پر شاہد ہے جو "باب ادا الخمس من الایمان" کے ذیل میں آرہی ہے مذکورہ وفد کو ایمان کی بابت جو امور رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمائے وہ وہی ہیں جو آپ نے جبرئیل امین کو اسلام کے ضمن میں بتائے، جس سے معلوم ہوا کہ ایمان و اسلام ہم معنی ہیں۔

تیسرے ترجمہ (عنوان) سے امام بخاری یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام اور دین ہم معنی ہیں اور آیت قرآنی سے اسپر استدلال کیا ہے کہ "جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرے گا وہ ہرگز قابل قبول نہیں ہوگا" گویا اسلام اور دین ایک ہی حقیقت کی دو تعبیریں ہیں۔

ان تینوں تراجم (عنوانات) سے مقصود اعمال کی اہمیت کم کرنے کے ارجائی موقف کی تردید ہے۔

حدثنا مسدد قال: حدثنا اسماعیل بن ابراهیم اخبرنا ابوحیان التیمی عن ابی زرعة عن ابی هریرة قال: کان النبی صلی الله علیه وسلم بارزا یوما للناس فاتاه جبریل فقال ما الایمان؟ قال الایمان ان تومن بالله و ملائکته و بلقائه، و رسله و تؤمن بالبعث، قال: ما الاسلام؟ قال: الاسلام ان تعبد الله و لاتشرک به و تقیم الصلاة و تؤدی الزکاة المفروضة، و تصوم رمضان، قال: ما الاحسان؟ قال: ان تعبد الله کانک تراه

Marfat.com

فان لم تکن تراه فانه یراک قال: متی الساعة؟ قال: ماالمسئول عنها باعلم من السائل. و سأخبرک عن اشراطها: اذا ولدت الامة ربها و اذا تطاول رعاة الابل البهم فی البنیان فی خمس لایعلمهن الا الله، ثم تلا النبی صلی الله علیه وسلم ان الله عنده علم الساعة. الایة ثم ادبر فقال: ردوه، فلم یروا شیئا، فقال هذا جبریل جاء یعلم الناس دینهم قال ابوعبدالله جعل ذلک کله من الایمان.

ترجمہ: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا (ایسا ہوا) ایک دن آنحضرت ﷺ لوگوں میں نمایاں بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں ایک شخص آیا اور پوچھنے لگا کہ ایمان کسے کہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ تم اللہ، اس کے فرشتوں، اور اس سے ملنے اور اس کے پیغمبروں کا یقین کرو اور مر کر جی اٹھنے کو مانو اس نے پوچھا اسلام کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ شرک نہ کرو اور نماز قائم کرو اور فرض زکوۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو اس نے پوچھا احسان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ اللہ کی ایسی (دل لگا کر) عبادت کرو جیسے تم اس کو دیکھ رہے ہو اگر تم اسکو دیکھنے کی کیفیت پیدا نہ کرسکو تو (یہ خیال رکھو کہ) وہ تم دیکھ رہا ہے۔ اس نے کہا قیامت کب آئے گی آپ ﷺ نے فرمایا جس سے پوچھتے ہو وہ بھی پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا اور میں تم کو اس کی نشانیاں بتلائے دیتا ہوں جب لونڈی اپنے آقا کو جنے اور جب کالے اونٹ چرانے والے لمبی لمبی عمارتیں بنانے میں مقابلہ کریں گے (بڑے امیر بن جائیں گے) قیامت (غیب کی ان) پانچ باتوں میں ہے جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا پھر آنحضرت ﷺ نے (سورہ لقمان کی) یہ آیت آخر تک پڑھی "بیشک اللہ ہی جانتا ہے قیامت کب آئے گی" پھر وہ شخص پیٹھ موڑ کر چلا آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس کو پھر میرے سامنے لاؤ (لوگ گئے) تو

Marfat.com

وہاں کسی کو نہیں دیکھا تب آپ نے فرمایا یہ جبریل علیہ السلام تھے لوگوں کو انکا دین سکھانے آئے تھے امام بخاری نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سب باتوں کو (دین کہہ کر) ایمان میں شریک کردیا۔

توضیح: یہ حدیث، حدیث جبرئیل علیہ السلام کے نام سے معروف ہے، اسکو تمام احادیث کا خلاصہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام زندگی کا نچوڑ قرار دیا گیا ہے، جس طرح سورہ فاتحہ کو ام القرآن کہا گیا ہے اسی طرح اس حدیث کو ام السنۃ قرار دیا گیا ہے۔

حدیث میں مذکور واقعہ آپ کی آخری عمر میں پیش آیا جب آپ کی رحلت میں صرف تین ماہ باقی رہ گئے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجلس میں اس طور پر نمایاں تشریف فرما تھے کہ ہر شخص پہچان لے، ابتداء میں آپ صحابہ میں مل جل کر بیٹھتے تھے، جس سے ایک اجنبی کو شناخت میں دقت بھی ہوتی اور دریافت بھی کرنا پڑتا، اس بناء پر صحابہ نے آپ کے لئے نمایاں جگہ مقرر کرنے کی اجازت چاہی، آپ نے مفاد عامہ میں اجازت دیدی (۱۸۶) غالباً اس واقعہ میں آپ بلند مقام پر تشریف فرما تھے کہ اتنے میں ایک شخص آیا جس نے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے اور اس کے بال سیاہ تھے، اس پر تو نہ سفر کے کوئی اثرات تھے اور نہ ہی اسے صحابہ پہچان سکے (یعنی نہ وہ مسافر تھا اور نہ ہی مدینہ کا باشندہ تھا) حتی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ابتداء میں نہ پہچان سکے، یہ شخص آپ کے زانو مبارک سے اپنے زانوں ملا کر بیٹھ گیا اور سوالات شروع کردیئے (۱۸۷)

پہلا سوال ایمان سے متعلقہ امور کے بارے میں تھا، آپ نے فرمایا کہ تم اللہ، اس کے فرشتوں کا، اس سے ملنے کا اور اس کے پیغمبروں کا یقین کرو اور مر کر دوبارہ زندہ اٹھائے جانے کو مانو، اللہ کو ماننے کا مفہوم یہ ہے کہ اس کے وجود، اس کی وحدانیت، اس کے تمام صفات کے جامع ہونے اور تمام نقائص سے مبرا ہونے کا یقین رکھا جائے، اسکو ہی تکوینیات و تشریعیات میں حاکم حقیقی اور لائق عبادت مانا جائے اور یہ کہ اس کی ذات و صفات اور افعال میں کوئی اسکا ہمسر نہیں ہے (۱۸۸) فرشتوں کے بارے میں ایمان اس امر کا ہونا چاہیئے کہ اللہ نے یہ مخلوق نور سے پیدا کی ہے، یہ اللہ کے سفیر اور کبھی نافرمانی نہ کرنے والے عبادت گزار اور تکوینی انتظامات

Marfat.com

کے نگراں ہیں (۱۸۹) اللہ سے ملنے کا معنی یہ ہے کہ قیامت کے روز ایمان والوں کو اللہ کا دیدار ہوگا یا یہ کہ خدائی عدالت میں سب کی حاضری ہوگی، رسولوں پر ایمان ان معنوں میں ہے کہ اللہ نے انہیں اپنا پیغام پہنچانے کے لئے منتخب کیا اور انہیں ہمہ قسم کے گناہوں سے محفوظ اور معصوم رکھا، تکالیف و مصائب کے باوجود انہوں نے فریضۂ رسالت میں کبھی کوتاہی نہیں کی بعد ازیں اس شخص نے اسلام کے متعلق سوال کیا، آپ نے فرمایا کہ کسی کو شریک کئے بغیر اللہ کی عبادت و اطاعت کی جائے، فرض نماز و زکوۃ ادا کی جائے، رمضان کے روزے رکھے جائیں ایک اور روایت میں حج کا بھی ذکر ہے۔

اس شخص نے تیسرا سوال احسان کے متعلق کیا، آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اللہ کی اس طرح عبادت کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو، یہ اعلیٰ درجہ کی حالت ہے، انسان اس میں حق کا مشاہدہ اس طرح کرنے لگتا ہے گویا اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے اور اگر اس مشاہدہ کا دل پر غلبہ نہ ہو تو کم از کم یہ استحضار ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کے ہر حال کو دیکھ رہا ہے، احسان کا دوسرا نام تصوف ہے تصوف کا لفظ سن کر عام طور پر قدامت پسندی اور رجعت پسندی کا خیال آتا ہے اور تصوف کو عموماً عمل اور اقدام کی ضد سمجھا جاتا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ انسان محض گوشت پوست کا نام نہیں، اس گوشت پوست کے اندر ایک چیز ہے جو بولتی ہے، سوچتی ہے اور اعضاء و جوارح سے کام لیتی ہے، اسے نفس کہہ لیجئے یا روح۔ تصوف، انسان کی اس روح میں ایک ہیجان پیدا کرتا ہے، اسے ایک ولولہ دیتا ہے، اس میں ایک حرکت پیدا کرتا ہے کہ وہ سوچے، کچھ چاہے اور اس کے لئے مصروف عمل ہو یہ ایک برقی رو ہے جو انسان کے اندر دوڑ جاتی ہے۔ تصوف زندگی میں کوئی خاص راہ عمل متعین نہیں کرتا بلکہ راہ عمل پر ہمت اور استقامت سے چلانے والا جذبہ ہے جو نیک کاموں کو خلوص سے، عقیدت سے اور دل و جان سے کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ احسان و تصوف کی یہ کیفیت کتابوں کے مطالعے اور تقاریر سننے سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ باشعور، مخلص اور سلجھے بزرگوں، دوستوں اور اہل اللہ کی صحبت میں بیٹھنے اور ان کی توجہ سے حاصل ہوتی

Marfat.com

ہے(۱۹۰) پھر احسان میں کئی مراتب ہیں اعلیٰ مرتبہ انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہوتا ہے، ایک مرتبہ صحابہ کرام کا ہے، اسی طرح اولیاء و صلحاء کے مراتب ہیں، گویا شریعت جو ایمان و اسلام کا مجموعہ ہے، اس کی باقاعدہ اور متواتر مشق سے احسان حاصل ہوتا ہے، یہی طریقت ہے لہذا شریعت و طریقت کا علیحدہ علیحدہ سمجھنا ایک دھوکہ ہے۔

طریقت، شریعت اور سیاست کی مانند دین کا ایک بنیادی جزو ہے ان بنیادی اجزاء کی تکمیل ایک دوسرے کے بغیر نہیں ہو سکتی، شریعت سے راہ معلوم ہوتی ہے کہ اگر یہ راستہ ہی سامنے نہ ہو تو قطع مسافت کیسے ممکن ہے؟ طریقت سے راہ پر چلنے کی اخلاقی قوت پیدا ہوتی ہے کہ اگر رہروی کی طاقت نہ ہو تو محض راہ کے درست ہونے سے کیا ہوتا ہے؟ اور سیاست سے راہ کی رکاوٹیں صاف ہوتی ہیں کہ اگر راستہ پر خار اور سنگ راہ سے لبریز ہو تو طاقت بھی کیا کام دے سکتی ہے؟ اگر پھر بھی کام لیا جائے تو ساری طاقت راستہ پر ہی صرف ہو کر رہ جائے گی اور منزل مقصود تک رسائی ہی مشکل ہو جائے گی پس شریعت "راہ" ہے، طریقت "قوت رہروی" ہے اور سیاست "تصفیہ راہ" ہے۔

اگر ان تین عناصر کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا جائے تو ان کے باہمی امتزاج کے مشترکہ فوائد ختم ہو کر کوئی نہ کوئی نقصان اور مضرت رونما ہو جائے گی، اگر محض طریقت رہ جائے جس میں شریعت اور سیاست نہ ہو تو وہ محض وحشت اور خجالت (مردم بیزار شرمندگی) یعنی رہبانیت ہے اور اگر محض شریعت ہو جس کے ساتھ طریقت اور سیاست نہ ہو تو وہ شدت و جمود محض یعنی پاپائیت ہے اور اگر سیاست کے ساتھ طریقت و شریعت نہ ہو تو وہ محض دھونس، دھاندلی اور نخوت و تکبر یعنی فرعونیت ہے اور ظاہر ہے کہ یہ تینوں صفات انفرادی طور پر کمال شمار نہیں ہوتیں بلکہ باعث فساد سمجھی جاتی ہیں اس لئے ان میں ہر ایک دوسرے کا مصلح ہے اور اس لئے دین نے ان سب کو جمع کر کے اپنا نام "دین" رکھا ہے جیسا کہ زیر نظر حدیث جبرئیل علیہ السلام سے واضح ہے، پس طریقت کی وحشت و انفرادیت کا مصلح شریعت اور سیاست ہے جن کی بنیاد

Marfat.com

تعلقات کی کثرت اور اجتماعیت پر ہے، شریعت کے جمود کا مصلح طریقت ہے جس سے قلب میں نرمی و ہمدردی اور رأفت و لینت پیدا ہو کر جمود و تشدد زائل ہوتا ہے، سیاست کے جبر و سطوت اور نخوت و تحکم کا مصلح شریعت و طریقت ہے جن کی آمیزش سے مخلوق خدا کے لئے ہمدردی اور تربیت عالم کا ظہور ہوتا ہے اور خلافتِ الٰہی نمایاں ہو کر نفسانی جبر و قہر فنا ہو جاتا ہے پھر شریعت و طریقت کی کسمپرسی و بے بسی کا مصلح سیاست ہے جس کی مادی شوکت ان دونوں کے لئے سرمایہ عظمت و حفاظت بنتی ہے(۱۹۱)

ایمان، اسلام اور احسان کے باہمی تعلق کو محقق مدنی نے ایک مثال سے یوں واضح کیا کہ ایمان، تخم و بیج، اسلام، درخت اور احسان پھل و پھول کی مانند ہے(۱۹۲)

آخر میں یہی سوال باقی رہ جاتا تھا کہ عبادت کے اس اعلیٰ و اکمل مرتبہ کے حصول کے بعد جس کو احسان کہا جاتا ہے اس دنیا کا نظام کب ختم ہو گا، اسی لئے آنے والے شخص نے قیامت کے وقت کے بارے میں دریافت کیا، آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ مسئول عنہ، سائل سے زیادہ باخبر نہیں یعنی قیامت کے آنے کا تو ہم دونوں کو علم اور یقین ہے لیکن وقت کے بارے میں ہم دونوں لاعلم ہیں، آپ نے جواب میں جن الفاظ کا انتخاب کیا ہے اس سے اس حقیقت کی جانب متوجہ کیا گیا ہے کہ قیامت کے وقت کے بارے میں لاعلمی آپ اور آپ کے مخاطب کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اس امر سے متعلق دنیا کا ہر سوال کنندہ اور جواب دہندہ ایک ہی سطح پر ہیں، پھر آپ نے علامات قیامت بتائیں کہ جب باندی اپنے آقا کو جنے گی یعنی معاشرتی بد نظمی پیدا ہو جائے گی اور تمام معاشرتی ادارے شکست و ریخت سے دوچار ہو جائیں گے، نیز سیاہ اونٹ کے چرانے والے طویل عمارتوں کے بنانے میں باہمی مقابلہ کریں گے گویا معاشرے کو خود غرضی پر مبنی مقابلہ بازی اس شدت سے گرفت میں لے لیگی کہ عام طور پر الگ تھلگ رہنے والے دیہات کے افراد بھی اس منفی دوڑ میں شریک ہو جائیں گے، پھر آپ نے سورۂ لقمان کی آخری آیت تلاوت کی جس میں قیامت کو ان پانچ غیبی امور میں سے بتایا گیا ہے کہ جو صرف اللہ کے علم میں ہیں۔

اس آیت سے یہ واضح ہوتا ہے غیبی امور کی کلیات و اصول کا علم اللہ تعالی کے ساتھ مخصوص ہے تاہم منتشر جزئیات کا علم سمجھدار افراد اور برگزیدہ بندوں کو بھی عطا کردیا جاتا ہے چنانچہ اس ضمن میں رسول اکرم ﷺ کو امتیازی طور پر بہت وافر حصہ ملا ہے۔ غیب کا معنی ہے وہ چیز جو پانچوں حواس سے بلاواسطہ نیز عقلی دلیل سے معلوم نہ ہوسکے (۱۹۳) لہذا عقلی دلیل سے علم میں آنے والی چیز غیب نہیں کہلائے گی اور نہ ہی علامات و آلات کے ذریعے کسی چیز کا علم، غیب کے علم کے زمرے میں آتا ہے (۱۹۴) اسلئے عالم الغیب صرف اللہ تعالی کی ذات کو کہا جائیگا کیونکہ تکوینی کلیات کا صرف اسے ہی علم ہے جیسے فقیہ اس کو کہا جاتا ہے جو فقہ کے اصول و ماخذ سے واقف ہو اور طبیب (ڈاکٹر) وہ کہلاتا ہے جو میڈیکل کے اصول و فن جانتا ہو لہذا جس شخص کو محض فقہی جزئیات یاد ہوں (خواہ کثیر سی) یا کوئی کئی امراض اور ان کی دواؤں سے واقف ہو اصولاً فقیہ اور ڈاکٹر نہیں کہلاسکتے (۱۹۵)

الغرض ان سوالات کے جواب حاصل کرنے کے بعد وہ شخص چلا گیا، آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ اسے واپس بلاؤ لیکن اس کا پتہ نہ چل سکا، آپ نے فرمایا یہ جبرئیل تھے جو لوگوں کو ان کا دین سکھانے کی غرض سے تشریف لائے تھے، ایک روایت میں ہے کہ وہ ہر سوال کے جواب پر آپ کی تصدیق بھی کرتے تھے چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہمیں تعجب ہوتا کہ یہ شخص سوال بھی کرتا ہے اور تصدیق بھی (۱۹۶)

باب

امام بخاری نے گزشتہ سے پیوستہ باب میں متعدد دلائل سے یہ بات واضح کی تھی کہ مومن کو کسی وقت بھی اعمال خیر کی طرف سے غفلت نہیں برتنی چاہیے کیونکہ غفلت برتنے والے شخص کا ایمان ہر وقت اندیشوں میں گھرا رہتا ہے اور اب باب

Marfat.com

بلاترجمہ (بلاعنوان) قائم کر کے گزشتہ باب سے پیدا شدہ تاثر کی نفی کر رہے ہیں اور واضح کر رہے ہیں کہ ایمان ایسے شخص کا اندیشوں میں گھرا رہتا ہے جس کا ایمان دل میں راسخ نہ ہو اور جس شخص کے دل میں ایمان رچ بس جائے، اسے دین سے بیزار کرنے والی دنیا کی کوئی طاقت نہیں، لہذا وہ وسوسوں اور اندیشوں کی بجائے اطمینان و سکون کی زندگی بسر کرتا ہے تو چونکہ اس باب کا گذشتہ سے پیوستہ باب سے ایک ربط ہے، اس لئے اس کا عنوان ذکر نہیں کیا۔

امام بخاری نے اپنے نظریہ کی تائید کے لئے حدیث ہرقل کا ایک جزو پیش کیا ہے اور حدیث کے کسی جزو کو علیحدہ ذکر کیا جائے تو اسے محدثین کی اصطلاح میں "خرم" کہتے ہیں، حدیث کا مخروم جزو اگر اظہار معنی کے لئے دوسرے اجزاء کا محتاج ہے یا علیحدہ ذکر کرنے کے بعد اس کے معنی بدل جائیں تو ایسا "خرم" درست نہیں لیکن اگر وہ اپنے معنی بتانے میں دوسرے اجزاء حدیث کا محتاج نہ ہو تو ایسا خرم یا قطع و برید جائز ہے اور امام بخاری بھی اسی حد میں حدیث کا حصہ ذکر کرتے ہیں (۱۹۷)

حدثنا ابراهيم بن حمزة قال: حدثنا ابراهيم بن سعد عن صالح عن ابن شهاب عن عبيدالله بن عبدالله، ان عبد الله بن عباس اخبره قال: اخبرنى ابوسفيان ان هرقل قال له: سالتك هل يزيدون ام ينقصون، فزعمت انهم يزيدون و كذلك الايمان حتى يتم، و سألتك هل يرتد احد سخطة لدينه بعد ان يدخل فيه فزعمت ان لا، و كذلك الايمان حين تخالط بشاشته القلوب لايسخطه احد

ترجمہ: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے خبر دی ان کو ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ہرقل (روم کے بادشاہ) نے ان سے کہا میں نے تم سے پوچھا اس پیغمبر کے تابعدار بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں تو تم نے کہا بڑھ رہے ہیں اور ایمان کا یہی حال رہتا ہے یہاں تک کہ وہ پورا ہو (اپنی قوت کو پہنچ جائے) اور میں نے تم سے پوچھا کوئی اس کے دین میں آکر پھر اس کو برا سمجھ کر

پھر جاتا ہے تو تم نے کہا نہیں اور ایمان کا یہی حال ہے جب اس کی خوشی دل میں سماجاتی ہے تو پھر کوئی اس کو برا نہیں سمجھتا۔

توضیح: صلح حدیبیہ کے بعد رسول اکرم ﷺ نے مختلف ممالک کے حکمرانوں کے نام خطوط ارسال کئے تھے جن میں انہیں دعوت ہدایت دی گئی، ان میں ایک خط حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ذریعہ قیصر روم ہرقل کے نام بھیجا گیا، جو انہوں نے بُصری کے گورنر حارث بن ابی الشمر غسانی کو دیا، حسن اتفاق سے قیصر ان دونوں فارس پر رومی فتح کی خوشی میں اپنی منت پوری کرنے کیلئے حمص سے ایلیاء (بیت المقدس) پیدل آیا ہوا تھا، قیصر نے نامۂ مبارک پڑھتے ہی دریافت کیا کیا یہاں ایسا کوئی شخص ہے جو صاحب مکتوب سے نسب میں قریب اور ان سے بخوبی واقف ہو، انہیں دنوں ابوسفیان (اس وقت ان کی حیثیت مسلمانوں کی حریف فوج کے سربراہ کی تھی) تجارتی قافلہ کے ساتھ وہاں گئے ہوئے تھے، چنانچہ تلاش و جستجو کے بعد ان کو قافلہ سمیت دربار قیصری میں طلب کیا گیا، اس موقع پر قافلہ کے آدمیوں کو ابوسفیان کے پیچھے بٹھایا گیا، قیصر نے ان سے کہا اگر یہ غلط بیانی کریں تو تم نشاندہی کردینا، عربوں میں جھوٹ بولنے کو انتہائی معیوب گردانا جاتا تھا اور اسی بناء پر ابوسفیان کہتے ہیں اگر مجھے اپنے جھوٹے ہونے کے پروپیگنڈہ سے شرم مانع نہ ہوتی تو میں ضرور غلط بیانی کرتا، الغرض ترجمان کے ذریعہ ہرقل نے سوالات کئے جن کے جوابات ابوسفیان نے دیئے، جوابات مکمل ہونے کے بعد قیصر روم نے ان پر فاضلانہ تبصرہ کیا، ان سولات، جوابات اور تبصروں کی درج ذیل تفصیل سے دعوت نبوت کے پس منظر و پیش منظر کی بڑی عمدہ وضاحت ہوتی ہے۔

سوال 1: تم لوگوں میں اس شخص (یعنی نبی ﷺ) کا نسب کیسا ہے؟

جواب: وہ اعلیٰ نسب والے ہیں۔

تبصرہ: پیغمبر ہمیشہ اپنی قوم میں اعلیٰ خاندانوں میں ہی بھیجے جاتے ہیں۔

سوال 2: یہ بات (دعوی نبوت) تم (قریش) میں سے پہلے بھی کسی نے کہی ہے؟

جواب: جی نہیں۔

Marfat.com

تبصرہ: اگر یہ بات پہلے کسی نے کہی ہوتی تو میں کہتا یہ شخص اس کی پیروی کر رہا ہے۔

سوال 3: کیا ان کے ان آباء واجداد میں کوئی بادشاہ تھا؟

جواب: جی نہیں۔

تبصرہ: اگر ان کے بزرگوں میں کوئی بادشاہ ہوتا تو میں کہتا کہ یہ شخص اپنے باپ کی بادشاہت لینے کا خواہشمند ہے (یعنی نبوت کا دعوی محض ایک چال ہے)

سوال 4: بڑے لوگ (دولتمند اور با اثر) ان کی پیروی کر رہے ہیں یا کمزور لوگ؟

جواب: نہیں! غریب لوگ۔

تبصرہ: پیغمبروں کے اتباع کرنے والے (ابتدائی دور میں اکثر و بیشتر) کمزور (غریب) لوگ ہی ہوتے ہیں۔ (کیونکہ دعوت دین سرمایہ پرستی اور جاہ پرستی کے خاتمہ کی نقیب ہوتی ہے)

سوال 5: پیروکار بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں؟

جواب: بڑھ رہے ہیں۔

تبصرہ: ایمان کا یہی حال ہوتا ہے یہاں تک مکمل ہوجائے۔ (یعنی دین غالب ہوجائے اور احکام مکمل ہوجائیں گویا دین اس جہاں میں غالب ہونے کیلئے آیا ہے)

سوال 6: کیا انمیں سے کوئی دین میں داخل ہونے کے بعد اسے ناگوار جان کر واپس (کفر میں) لوٹ جاتا ہے؟

جواب: جی نہیں۔

تبصرہ: ایمان کا یہی حال ہوتا ہے جب اسکی خوشی دل میں سماجاتی ہے (تو پھر نکلتی نہیں) اور پھر مومن کیلئے تمام ناگوار امور کا برداشت کرنا ممکن ہوجاتا ہے اور وہ لائق اطمینان زندگی بسر کرنے لگتا ہے)

سوال 7: یہ بات جو انہوں نے کہی (کہ میں رسول ہوں) کیا اس سے پہلے کبھی تم نے انپر جھوٹ کی تہمت لگائی ہے؟

جواب: جی نہیں۔

تبصرہ: تو اب میں نے سمجھ لیا کہ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ وہ لوگوں پر تو جھوٹ بولنے سے پرہیز کرے اور اللہ پر جھوٹ باندھے (گویا حقوق العباد میں محتاط رویہ کا حامل حقوق اللہ میں بھی بے احتیاطی سے گریز کرتا ہے)

سوال 8: کیا وہ عہد شکنی کرتے ہیں؟

جواب: جی نہیں (تاہم) ہم ان کی طرف سے (صلح کے) ایک عرصہ میں ہیں، معلوم نہیں وہ کیا کرنے والے ہیں؟

(ابوسفیان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صرف یہی جملہ میں اپنی طرف سے شامل کرسکا تھا)

تبصرہ: پیغمبر ایسے ہی ہوتے ہیں کہ وہ عہد نہیں توڑتے۔

سوال 9: کیا تمہاری ان سے کبھی لڑائی ہوئی ہے؟

جواب: جی ہاں۔

سوال 10: تمہاری ان سے لڑائی کی کیا کیفیت ہوتی ہے؟

جواب: ہمارے اور ان کے درمیان لڑائی ڈانواڈول رہتی ہے (کبھی) وہ ہمیں نقصان پہنچاتے ہیں اور (کبھی) ہم انہیں نقصان پہنچاتے ہیں۔

سوال 11: وہ تمہیں کس چیز کی ہدایت دیتے ہیں؟

جواب: وہ کہتے ہیں، صرف اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو، جو کچھ (خرافات) تمہارے آباؤاجداد کہتے ہیں، اسے چھوڑو، وہ ہمیں نماز، سچائی، پاکدامنی اور صلۂ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔ (جو انسانیت کے بنیادی اخلاق کا خلاصہ ہیں)

تبصرہ: اگر تمہاری بات درست ہے تو وہ عنقریب اس جگہ کے مالک بنیں گے جہاں میرے یہ دونوں پاؤں ہیں (یعنی سرزمین شام)، اور مجھے معلوم تھا

Marfat.com

کہ یہ (پیغمبر) آنے والے ہیں (مگر) یہ گمان نہیں تھا کہ وہ تم میں سے ہوں گے، اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میں ان تک پہنچ سکوں گا تو ان سے ملنے کی ضرور کوشش کرتا اور اگر میں ان کے پاس (مدینہ میں) ہوتا تو ان کے پاؤں دھوتا یعنی خدمت کرتا(۱۹۸)

اپنے دین کو بچا لینے والے کی فضیلت
باب فضل من استبرا لدينه

امام بخاری کا اس ترجمہ (عنوان) سے مقصد یہ ہے کہ جس طرح ایمان و کفر اور ظلم و نفاق میں مراتب و درجات بیان ہوئے ہیں، اسی طرح ورع (اللہ کا لحاظ کر کے اس کی ناپسندیدہ چیز کو ترک کرنا) میں بھی مراتب و درجات ہیں اس کا پہلا درجہ کفر و شرک سے بچنا ہے، دوسرا درجہ کبیرہ گناہوں سے بچنا اور تیسرا درجہ صغیرہ گناہوں سے پرہیز کرنا ہے۔ چوتھا مشتبہات یعنی شبہ کی چیزوں سے بھی پرہیز کرنا ہے، امام غزالی کی اصطلاح میں یہ "ورع صالحین" ہے۔ پانچواں درجہ یہ ہے کہ برائی میں مبتلا ہونے کے اندیشے سے کئی مباح امور ترک کر دیئے جائیں، یہ امام غزالی کی اصطلاح میں "ورع متقین" ہے چھٹا درجہ یہ ہے کہ ایسی حلال چیز کا استعمال نہ کرنا جس میں اللہ کی عبادت اور تعلق مع اللہ کے لئے طاقت و قوت حاصل کرنے کی نیت نہ ہو اسے وہ "ورع صدیقین" قرار دیتے ہیں(۱۹۹) الغرض ہر مسلمان کو مقدور بھر ورع کی ان منازل کو حاصل کرنے کی سعی کرنی چاہیئے خصوصاً ان افراد کو جو معاشرتی تبدیلی کے لئے سرگرم عمل ہوں، اس جانب بہر صورت خصوصی توجہ دینا ضروی ہے ورنہ ان کی کاوش محض سیاست گردی شمار ہوگی۔

حدثنا ابونعيم حدثنا زكريا عن عامر، قال: سمعت النعمان بن بشير يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول:

Marfat.com

الحلال بين والحرام بين، و بينهما مشبهات لايعلمها كثير من الناس، فمن اتق المشبهات استبرا لدينه و عرضه، و من وقع فى الشبهات كراع يرعى حول الحمى، يوشك ان يواقعه، ألا و ان لكل ملك حمى، ألا ان حمى الله فى أرضه محارمه، الا و ان فى الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله، و اذا فسدت فسد الجسد كله، الا وهى القلب.

ترجمہ: عامر سے روایت ہے میں نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے سنا وہ کہتے تھے میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے حلال کھلا ہوا ہے اور حرام کھلا ہوا ہے اور دونوں کے بیچ میں بعض چیزیں شبہ کی ہیں جن کو بہت لوگ نہیں جانتے (کہ حلال ہے یا حرام) پھر جو کوئی شبہ کی چیز سے بچا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچالیا اور جو کوئی ان شبہ کی چیزوں میں پڑگیا اسکی مثال اس چرواہے کی سی ہے جو (بادشاہی) کے رمنہ (مخصوص سرکاری چراگاہ) کے آس پاس (اپنے جانوروں کو) چرائے وہ قریب ہے اس کے اندر گھس جائے سن لو ہر بادشاہ کا ایک رمنہ ہوتا ہے سن لو اللہ کا رمنہ اس کی زمین میں حرام چیزیں ہیں۔ سن لو بدن میں ایک (گوشت) کا لوتھڑا ہے جب وہ درست ہوگا سارا بدن درست ہوگا اور جہاں وہ بگڑے گا سارا بدن بگڑ جائے گا، سن لو وہ (آدمی کا) دل ہے۔

توضیح: اس حدیث کو ارکان اسلام میں سے قرار دیا گیا ہے، حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے جو کمسن صحابہ میں سے شمار ہوتے ہیں، بعض روایات کے مطابق اپنے کانوں کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ میں ان سے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ حلال واضح ہے اور حرام واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان اشتباہ والی چیزیں ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے یعنی شرعی دلائل سے جب کسی چیز کی حلت یا حرمت متعین ہوجائے تو اس کا حکم واضح ہے اور پھر عمل میں کوئی تردد اور گنجلک نہیں رہتا کہ جو حلال ہے اس کو استعمال میں لایا جائے اور جو حرام ہے اس سے اجتناب برتا جائے۔

اور ان کے درمیان جو مشتبہ امور ہیں ان میں اشتباہ واقع ہونے کی پانچ وجوہات ہو سکتی ہیں۔

۱۔ کبھی دلائل کے باہمی تعارض کے سبب ایسا ہوتا ہے یعنی ایک چیز میں حلت و حرمت کے دونوں طرف سے دلائل موجود ہوں جن کی وجہ سے متعین طور پر مجتہد کسی ایک جانب فیصلہ نہ کر سکے جیسے مشکوک پانی یعنی گدھے اور خچر کا پیا ہوا پانی کہ ایک حدیث کے رو سے آپ نے وہ ہانڈیاں الٹوادیں جن میں گدھے کا گوشت پکایا جارہا تھا اور اسے ناپاک قرار دیا جبکہ دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے ایک صحابی کو اس گوشت کھانے کی اجازت دی تھی، تو چونکہ لعاب گوشت کے حکم میں ہے اس لئے اس کے جھوٹے میں بھی شک پیدا ہو گیا۔

۲۔ کبھی ایک چیز کی حلت تو ثابت ہوتی ہے لیکن حرمت کے کسی قرینے اور علامت کی وجہ سے اشتباہ آجاتا ہے جیسے حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ کو ایک عورت نے آکر بتایا کہ اس نے ان کو اور ان کی بیوی کو دودھ پلایا ہے گویا وہ دونوں دودھ شریک (رضاعی) بہن بھائی ہوئے، حضرت عقبہ نے اس واقعہ سے لاعلمی کا اظہار کیا لیکن رسول اکرم ﷺ نے شبہ کے سبب حضرت عقبہ کو اپنی بیوی سے علیحدہ ہونے کا ارشاد فرمایا حالانکہ شرعاً گواہی کا نصاب بھی موجود نہیں تھا۔

۳۔ کبھی شارع کے نزدیک ایک چیز ایک لحاظ سے لائق ترک ہوتی ہے اور دوسرے حوالے سے قابل قبول ہوتی ہے جیسے مکروہ اشیاء۔

۴۔ کبھی کوئی چیز واقع کے اعتبار سے بالکل درست اور حلال ہوتی ہے لیکن دوسروں کو کسی وجہ سے شبہ ہو سکتا ہے جیسے تہمت کے مقامات کہ جن کی بابت ایک حدیث میں ہے کہ ان سے بچا جائے لیکن یہ قسم حدیث نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کا مصداق نہیں بنتی۔

۵۔ کبھی دلائل میں ترجیح کے اعتبار سے مجتہدین کے اختلاف سے شبہ پیدا ہو جاتا ہے (۲۰۰)

الغرض جس نے ان مشتبہ چیزوں سے اجتناب کیا تو اس نے اپنے دین اور آبرو

Marfat.com

کو سلامت رکھا یعنی مشتبہ امور میں مبتلا ہونے سے دنیوی نقصان بھی ہے کہ ایسا شخص معاشرے کی نظروں میں بے وقعت ہوجاتا ہے جس سے اسکی عزت بھی مجروح ہوتی ہے اور دینی مضرت بھی ہے کہ دین بالکل صاف ستھرا اور محفوظ نہیں رہتا نیز شیطان کے فریب میں آکر حرام میں ملوث ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اور جو کوئی ان شبہ کی چیزوں میں پڑ گیا، اس کی مثال ایسی چرواہے کی سی ہے جو سرکاری چراگاہ کے ارد گرد جانور چرارہا ہے، اندیشہ ہے کہ کہیں وہ جانور چراگاہ میں داخل نہ کرادے گویا "انسان" چرواہا ہے، اسکا "نفس" وہ جانور ہے جسے وہ چرارہا ہے حرام اشیاء "چراگاہ" ہیں اور اس کا "ماحول" مشتبہ امور ہیں۔

ان مشتبہات سے بچنے کیلئے مکمل قانون سازی اور پھر اس پر عملدرآمد چونکہ مشکل ہے لہذا اس کے یہی طریقہ رہ جاتا ہے کہ دل کی درستگی کی طرف توجہ دی جائے یعنی دل اگر صالح، تندرست اور اس میں خوف خدا ہوا تو پھر مشتبہات سے بچنا آسان ہے کیونکہ پھر ہر عضو متقی اور پرہیزگار بن جائے گا اور اگر قلب ہی بگڑ گیا تو پھر وہ ہر عضو کی گناہوں کی طرف رہنمائی کرے گا چنانچہ تصوف میں اسی دل کی دنیا ہی بدلی جاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ صوفیاء کرام و مشائخ حق نے اشاعت اسلام اور اعلی اخلاقی اقدار کے فروغ میں جو کردار ادا کیا وہ اس سے کہیں زیادہ ہے جو مسلم حکمرانوں اور دیگر مذہبی افراد نے انجام دیا ہے۔

خُمس کی ادائیگی

باب اداء الخمس من الایمان

امام بخاری حسب معمول اعمال خیر کے جزو ایمان ہونے کے موقف کو ثابت کر رہے ہیں کہ جو مال غنیمت کفار سے جنگ کے بعد ہاتھ آئے، اس میں سے پانچواں حصہ ادا کرنا ایمان کا حصہ ہے اور یہ خمس اللہ کی طرف سے رسول اکرم ﷺ (اور آپ

Marfat.com

کے بعد خلفاء) وصول کر کے پانچ مصارف (رسول، قرابتدار، یتیم، مسکین اور مسافر) پر خرچ کر سکتے ہیں۔

محقق سندھی نے ان مصارف کی یوں وضاحت کی ہے:

(۱) رسول اللہ ﷺ - آپکی مد میں خاندان نبوت اور آپ کے رشتہ دار حصہ پائیں گے،

(۲) ذوی القربی، اس سے مراد وہ افراد ہیں جو کار رسالت میں رسول خدا کے معاون و مددگار تھے کیونکہ آپ کا حقیقی قریب وہی ہے جو آپ سے اپنے والدین، اولاد اور تمام انسانوں سے بڑھ کر محبت کرتا ہے، لہذا اس ضمن میں مہاجرین، انصار اور تابعین باحسان کے گروہ قابل ذکر ہیں، لہذا یہ تصور کہ آپ پانچواں حصہ اپنے ذاتی حوالہ سے اور پانچواں حصہ اپنے شخصی رشتہ داروں کے نام پر وصول کرتے ہیں، کسی طرح اسوۂ حسنہ کے اجتماعی مزاج سے ہم آہنگ نہیں۔

(۳) یتیم یعنی باپ کی شفقت سے محروم بالخصوص شہداء کے بچوں کی کفالت و تربیت کیلئے خرچ۔

(۴) مساکین یعنی جو مختلف رکاوٹوں کی وجہ سے معاشی زندگی کو استوار نہ کر سکیں، انہیں آلات و مشینری کی فراہمی۔

(۵) ابن السبیل یعنی ملکی نظام کا جائزہ لینے، دشمنوں کی تدابیر سے آگاہی نیز حصول علم کیلئے سفر کرنے والے(۲۰۱)

حدثنا علی بن الجعد قال: اخبرنا شعبة عن ابی جمرة قال: کنت اقعد مع ابن عباس یجلسنی علی سریره فقال: اقم عندی حتی اجعل لک سهما من مالی فاقمت معه شهرین ثم قال: ان وفد عبد القیس لما اتوا النبی صلی الله علیه وسلم قال: من القوم او من الوفد؟ قالوا: ربیعة، قال: مرحبا بالقوم، او بالوفد، غیر خزایا و لاندامی فقالوا: یا رسول الله، انا لانستطیع ان ناتیک الا فی شهر الحرام، و بیننا و

Marfat.com

بینک هذا الحی من کفار مضر، فمرنا بأمر فصل نخبر به من وراءنا و ندخل به الجنة، و سالوه عن الاشربة، فامرهم باربع و نهاهم عن أربع، امرهم بالایمان بالله وحده قال: أتدرون ما الایمان بالله وحده؟ قالوا: الله و رسوله اعلم، قال: شهادة ان لا اله الا الله، و ان محمدا رسول الله، و اقام الصلاة، و ایتاء الزکاة و صیام رمضان و ان تعطوا من المغنم الخمس و نهاهم عن أربع، عن الحنتم و الدباء والنقیر و المزفت، و ربما قال المقیر، و قال: احفظوهن و اخبروا بهن من وراءکم.

ترجمہ: ابوجمرہ کہتے ہیں میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ بیٹھا کرتا تھا وہ مجھ کو خاص اپنے تخت پر بٹھاتے (ایک بار) کہنے لگے تم میرے پاس رہ جاؤ میں اپنے مال میں تمہارا حصہ مقرر کردوں گا تو میں دو مہینے تک ان کے پاس رہا پھر کہنے لگے عبدالقیس کے بھیجے ہوئے لوگ جب آنحضرت ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ کون لوگ ہیں یا کون بھیجے ہوئے ہیں انہوں نے کہا ربیعہ کے لوگ ہیں آپ ﷺ نے فرمایا مرحبا ان لوگوں کو یا ان بھیجے ہوئے لوگوں کو نہ ذلیل ہوئے نہ شرمندہ وہ کہنے لگے یا رسول اللہ ہم آپ کے پاس نہیں آسکتے مگر ادب والے مہینہ میں کیونکہ ہمارے اور آپ کے بیچ میں مضر کے کافروں کا یہ قبیلہ ہے تو ہم کو خلاصہ ایک ایسی بات بتلادیجئے جس کی خبر (اپنے) ان لوگوں کو کردیں جو یہاں نہیں آئے اور اس پر عمل کرکے ہم بہشت میں جائیں اور انہوں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا آپ ﷺ نے چار باتوں کا ان کو حکم دیا اور چار باتوں سے منع کیا ان کو حکم یہ دیا کہ اکیلے (سچے) خدا پر ایمان لاؤ آپ ﷺ نے فرمایا تم جانتے ہو اکیلے خدا پر ایمان لانا کیا ہے انہوں نے کہا (ہم کیا جانیں) اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد اس کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور

زکوۃ دینا اور رمضان کے روزے رکھنا اور (کافروں سے) جو مال غنیمت ملے اس کا پانچواں حصہ ادا کرنا اور چار برتنوں سے ان کو منع کیا سبز لاکھی مرتبان اور کدو کے تونبے اور کرید کئے ہوئے لکڑی کے برتن اور مزفت یا مقیر (یعنی روغنی برتن) سے اور فرمایا ان باتوں کو یاد رکھو اور جو لوگ تمہارے پیچھے (اپنے ملک میں ہیں) ان کو بھی بتلادو۔

توضیح: ابوجمرہ (ان کا نام نصر بن عمران ہے۔ بصرہ کے باشندے تھے) کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا تھا اور وہ مجھے اپنے تخت پر بٹھا لیتے تھے کیونکہ (جیسا کہ بعض روایات میں ہے) یہ ان کے مترجم تھے یعنی عربی سے فارسی اور فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا کرتے تھے(۲۰۲) حضرت ابن عباس نے ایک بار ان سے کہا کہ تم میرے پاس چند روز قیام کرو، میں تمہارے لئے اپنے مال میں سے کچھ حصہ مقرر کردوں گا چنانچہ یہ ان کے پاس دو ماہ رہے اور مال عنایت کرنے کی وجہ (بعض روایات کے مطابق) یہ تھی کہ ابوجمرہ نے حضرت عبداللہ بن عباس کے مشورے کے مطابق "حج تمتع" کیا(۲۰۳) کہ ان کے ہاں حج کی افضل قسم تمتع ہے، (حج تمتع کی صورت یہ ہوتی ہے کہ عازم حج، میقات (وہ مقام جہاں سے بغیر احرام گذرنا ممنوع ہے) سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ میں داخل ہو اور عمرے کے افعال سے فارغ ہو کر احرام کھول دے پھر آٹھویں ذی الحجہ (یوم ترویہ) کو حج کا احرام باندھ کر افعال حج ادا کرے(۲۰۴) ابوجمرہ نے حج سے فارغ ہو کر خواب میں دیکھا کہ کوئی ان سے کہہ رہا ہے کہ حج بھی قبول ہے اور عمرہ بھی یہ خواب جب انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس کو سنایا تو وہ اپنی رائے کی اس تائید سے بہت خوش ہوئے اور یوں کچھ ہدیہ دینے کا وعدہ کیا۔

ابوجمرہ حضرت عبداللہ بن عباس کے پاس تھے کہ ایک عورت نے آکر ابن عباس سے مشکے کی نبیذ کے بارے میں مسئلہ دریافت کیا، اس پر(۲۰۵) اور غالباً اس لئے بھی کہ چونکہ ابوجمرہ کا تعلق قبیلہ عبدالقیس کی شاخ ضبیعہ سے تعلق تھا(۲۰۶) انہیں حضرت ابن عباس نے وفد عبدالقیس کی حدیث سنائی، یہ قبیلہ بحرین میں آباد تھا اور

Marfat.com

یہاں اسلام منقذ بن حیان رضی اللہ عنہ کے ذریعے پہنچا، منقذ بحرین کے تاجر تھے اور مدینہ طیبہ میں کپڑے کی تجارت کیا کرتے تھے ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ منقذ بن حیان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے، ان سے ان کے، ان کی قوم اور بحرین کے سرداروں کے نام لیکر ان کے حالات دریافت کئے، منقذؓ کو اس پر حیرت ہوئی کہ آپ تو کبھی بحرین تشریف نہیں لے گئے، بعد ازیں انہوں نے اسلام قبول کرلیا اور سورۂ فاتحہ اور سورہ علق کی تعلیم بھی حاصل کی، آپ نے منقذؓ سے ان کے خسر عائذ بن منذر کا حال بھی دریافت کیا جن کا لقب اشج تھا(۲۰۷) منذر جب گھر واپس لوٹے تو کچھ دن تک ایمان کو مخفی رکھا لیکن ان کی بیوی نے ان کو وضوء کرتے اور نماز ادا کرتے دیکھ لیا، اس نے اپنے باپ عائذ بن منذر کو بتلادیا کہ منقذ جب سے مدینہ سے واپس آئے ہیں تو ان کا طرز عمل یہ ہے کہ اعضاء کو دھوتے ہیں اور ایک خاص رخ ہو کر کبھی جھکتے ہیں اور کبھی پیشانی زمین پر رکھتے ہیں، اس پر ان کے خسر نے ان سے صورتحال دریافت کی تو انہوں نے پورا واقعہ سنادیا اور یہ بھی بتادیا کہ رسول اکرم ﷺ نے آپ کے بارے میں دریافت کیا تھا، چنانچہ وہ بھی دائرہ اسلام میں آگئے اور پھر ان کی تبلیغ سے کچھ اور لوگ بھی مشرف باسلام ہوگئے یہاں تک کہ ۶ھ میں بارہ آدمیوں کا وفد مدینہ منورہ، آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، بعد ازیں ۸ھ میں چالیس افراد پر مشتمل دوسرا وفد آیا، یہاں یہ متعین کرنا مشکل ہے کہ حدیث میں کس وفد کا ذکر ہے(۲۰۸)

الغرض وفد عبدالقیس جب رسول اکرم ﷺ کے پاس آیا تو آپ نے دریافت فرمایا کہ کس قوم کی جانب سے آئے ہو؟ (یا کس قوم کا وفد ہے؟) وفد نے جواب میں ربیعہ قبیلہ کا ذکر کیا (نزار بن معد بن عدنان کے چار بیٹے تھے، مضر، ربیعہ، انمار اور ایاد- نزار نے موت سے قبل وصیت کی تھی جو مال سرخ خیمہ کے مشابہ ہے وہ مضر کا ہے تو اس کے حصہ میں دینار اور سرخ رنگ کے اونٹ آئے اسی لئے مضر کو مضر الحمراء کہا گیا جو اموال سیاہ قبہ کے مشابہ ہیں خواہ چوپائے ہوں یا اور کچھ وہ ربیعہ کا حصہ ہے تو اسکو سیاہ رنگ کے گھوڑے دیئے گئے اسی لئے اس کو ربیعۃ الفرس کہا گیا تھیلی اور بیشک انمار کا حصہ ہیں تو اسکو دراہم اور زمین دی گئی اور جو مال اس خادمہ کے مشابہ ہو جس کے

Marfat.com

رنگ میں سفیدی اور سیاہی ہے وہ ایاد کا ہے تو اس کے حصہ میں ابلق گھوڑے اور گائے بیل آئے(۲۰۹) رسول اکرم ﷺ نے ان کو مرحبا (خوش آمدید) کہا (مرحبا رحب سے ہے جس کے معنی وسعت کے ہیں گویا میزبان مہمان سے کہتا ہے کہ آپ کی آمد پر مجھے مسرت ہوئی اور میرے دل میں آپ کے لئے وسعت و گنجائش ہے، کبھی اس کے ساتھ "اھلاً" کا اضافہ ہوتا ہے یعنی آپ اپنے گھر میں آئے ہیں اپنے آپ کو اجنبی نہ سمجھئے اور "سھلاً" کے اضافہ کا مفہوم یہ ہے کہ آپ آرام دہ جگہ پر تشریف لائے ہیں) اور آپ نے مزید فرمایا کہ نہ رسوا ہوئے اور نہ ہی ندامت کی کوئی بات ہے. یعنی ان کی مسلمانوں سے جنگ نہیں ہوئی ورنہ مغلوب ہو کر رسوائی محسوس کرتے اور جنگ کرنے پر نادم ہوتے۔

چونکہ قبیلہ عبدالقیس کی مضر قبیلہ سے جنگ رہتی تھی اس لئے انہوں نے آپ سے عرض کیا کہ وہ کفار مضر کے بحرین اور مدینہ کے درمیان ہونے کی وجہ سے صرف حرمت والے مہینوں (محرم، رجب، ذی قعدہ اور ذی الحجہ) کے علاوہ اور کسی ماہ میں آپ کے پاس حاضر نہیں ہوسکتے اس لئے ہمیں دو ٹوک باتیں بتائیں تاکہ ہم واپس جا کر اپنے لوگوں کو ان سے مطلع کر سکیں اور وہ اس کے ذریعے جنت میں داخل ہو سکیں، اس کے علاوہ انہوں نے خصوصیت سے برتنوں کے استعمال کے بارے میں سوال کیا۔

آپ نے چار امور بجالانے اور چار سے اجتناب کا حکم دیا، آپ نے اللہ کی وحدانیت پر ایمان رکھنے، نمازوں کو قائم رکھنے زکوۃ ادا کرنے اور رمضان کے روزے رکھنے کا حکم دیا، پھر چونکہ ان کا کفار مضر سے مقابلہ رہتا تھا اس لئے آپ نے مناسب خیال کیا کہ جب یہ لوگ جہاد کرتے ہیں تو احکام غنیمت میں سے خمس کی ادائیگی کا حکم بھی بتلادیا جائے، گویا یہ آپ کی خصوصی عنایت تھی کہ پانچویں چیز کا بھی حکم دیا یا یہ کہا جائے کہ نماز، زکوۃ اور روزے ایمان باللہ کی تفسیر ہیں اس صورت میں گویا راوی نے دو چیزوں کا ذکر نہیں کیا صرف ایمان اور اداء خمس کا ہی ذکر کیا ہے(۲۱۰) اس روایت میں حج کا ذکر یا تو اس بناء پر نہیں کہ اس وقت تک اس کی فرضیت کا حکم نہیں آیا تھا یا اس وجہ سے نہیں کہ حج ہر وقت اور ہر ایک پر فرض بھی نہیں ہوتا پھر قبیلہ عبد

القیس کے لئے تو کفار مضر کی وجہ سے راستہ بھی پرامن نہیں تھا جو فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے ایک بنیادی شرط ہے۔

مزید برآں آپ نے چار برتنوں کے استعمال سے بھی منع کیا جن میں اس وقت بالعموم شراب بنائی یا استعمال کی جاتی تھی یعنی حنتم (شراب کا گھڑا جو اکثر سبز رنگ کا ہوتا ہے) دباء (کدو کا گودا نکال کر خول کو خشک کرکے جو برتن بنایا جاتا ہے) نقیر (لکڑی کو درمیان سے کرید کرکے تیار کردہ برتن) مزفت یا مقیر (کسی درخت کے نچوڑ یا تارکول جیسی چیز سے پالش کردہ برتن) درحقیقت شراب کا معاملہ اس قدر حساس تھا کہ شراب کی حرمت نازل ہونے کے ابتدائی ایام میں ان برتنوں کو عام استعمال سے بھی منع کردیا گیا تاکہ کسی طور پر شراب کیلئے نرم گوشہ پیدا نہ ہو اور اس کی یاد دہانی نہ ہوتا ہم جب ذہنوں میں شراب کی حرمت راسخ ہوگئی، تو ان برتنوں کے استعمال کی اجازت دے دی گئی (۲۱۱) اس سے یہ اہم نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ بسا اوقات ایک ناجائز اور فاسد عمل سے روکنے کیلئے اس سے متعلقہ اور اس تک راہ پانے والے کچھ امور پر بھی پابندی لگادی جاتی ہے تاکہ کسی طور پر بھی اس ناجائز عمل کی گنجائش نہ نکل سکے اسکو فقہ کی اصطلاح میں "سدّ الذرائع" کہتے ہیں لیکن جب اس امر کا یقین ہوجائے کہ اس فاسد عمل کا مکمل انسداد کردیا گیا ہے تو پھر وہ جائز امور دوبارہ اپنی اصلی حالت پر آجاتے ہیں۔

اسی طرح بعض چیزیں بنیادی طور پر جائز بلکہ مستحسن ہوتی ہیں مگر معروضی حالات کے سبب غیر مستحسن اور امور کو فوقیت اور ترجیح دینا مستحسن ہوجاتا ہے، اور ایسے وقت میں موضوعی طور پر مستحسن پہلو کو اختیار کرنا کسی طور پر دانشمندی نہیں ہوتی اور حدیث میں اسکی بکثرت مثالیں ملتی ہیں، جیسے رسول اکرم ﷺ نے قرآن حکیم کے نزول کے وقت اللہ تعالی کے حضور باصرار عرض کرکے قرآن حکیم کو سات مشہور لہجوں میں پڑھنے کی اجازت حاصل کی تاکہ لوگوں کو پڑھنے میں سہولت ہو لیکن جب عجمی علاقوں میں اسلام اور قرآن کا پھیلاؤ ہوا تو ان لہجوں میں قراءت باہمی نزاع کا باعث بننے لگی تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت راشدہ میں جماعت صحابہ نے معروضی حالات کے سبب قرآن حکیم کی تلاوت کو صرف ایک لہجہ میں منحصر کردیا، اسی

طرح رسول اکرم ﷺ چاہتے تھے کہ کعبہ کی عمارت کو از سر نو ابراہیمی بنیادوں پر استوار کریں مگر بعض نو مسلموں کے دین سے انحراف کے اندیشہ کے سبب آپ نے تعمیر نو کے ارادہ کو عملی جامہ نہیں پہنایا کہ نفع کے مقابلہ میں نقصان کی نوعیت کہیں بڑھ کر تھی، تو جب لوگوں کے مفاد اور نظم شریعت کی خاطر مستحسن پہلو پر غیر مستحسن پہلو کو فوقیت حاصل ہوجاتی ہے تو ایسے حالات میں۔ جن کے دونوں پہلو یکساں جواز کے حامل ہوں کسی ایک پہلو کو فوائد کے نقطۂ نظر سے اختیار کرلینا عقل و روایت کی ہی پیروی ہے(۲۱۲)

اعمال اور نیت

باب ما جاء ان الاعمال بالنية و الحسبة و لكل امرئ ما نوى فدخل فيه الايمان و الوضوء و الصلاة و الزكاة والحج والصوم والاحكام و قال الله تعالى قل كل يعمل على شاكلته(۲۱۳) على نيته و نفقة الرجل على اهله يحتسبها صدقة، و قال النبى صلى الله عليه وسلم و لكن جهاد و نية.

(باب اس بات کا بیان کہ اعمال کا مدار نیت اور خلوص پر ہے اور ہر آدمی کو وہی ملے گا جو نیت کرے تو عمل میں ایمان اور وضو اور نماز اور زکوۃ اور حج اور روزہ اور سارے معاملات (جیسے بیع و شرا اور نکاح و طلاق وغیرہ) آگئے اور اللہ نے (سورہ بنی اسرائیل میں) فرمایا اے پیغمبر کہدے ہر کوئی اپنے طریق یعنی نیت پر عمل کرتا ہے اور (اور اسی وجہ سے) آدمی اگر ثواب کے لئے خدا کا حکم سمجھ کر اپنے گھر والوں پر خرچ کرے تو صدقہ کا ثواب ملتا ہے اور (جب مکہ فتح ہو گیا) تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا (اب ہجرت نہیں رہی) لیکن جہاد اور نیت باقی ہے۔)

Marfat.com

امام بخاری ایمان، اعمال، گناہوں سے پرہیز اور ایمان سے متعلقہ امور ذکر کرنے کے بعد اس باب میں یہ واضح کر رہے ہیں کہ ایمان سمیت تمام اعمال خیر کی مقبولیت کا دارومدار رضائے الٰہی کے حصول کی خالص نیت پر ہے اور گناہوں سے پرہیز بھی وہی معتبر ہے جس کا مقصد اللہ کی خوشنودی ہو لہذا درست نیت کا اہتمام اور رضائے خداوندی کے حصول کا قصد ضروری ہے۔

ترجمہ (عنوان) میں قرآن حکیم کی آیت کا ایک حصہ اور دو احادیث کے متعلقہ اجزاء مذکور ہیں دوسری حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد کسی نے رسول اکرم ﷺ سے ہجرت پر بیعت کرنے کی درخواست کی تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت ختم ہو گئی ہے کیونکہ مکہ فتح ہو کر دار الاسلام بن گیا ہے تاہم اعلیٰ مقاصد کے حصول کی خاطر جہاد کا فریضہ بدستور قائم ہے اور اگر جہاد کی کسی قسم کے لئے عملی اسباب فوری طور پر میسر نہ ہوں اور حالات ناسازگار ہوں تو جہاد کی نیت اور ارادہ بہر صورت ہونا چاہیئے۔

قال اخبرنا مالک عن یحیی بن سعید عن محمد بن ابراهیم عن علقمة بن وقاص عن عمر ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: (الاعمال بالنیة و لکل امرئ ما نوی فمن کانت هجرته الی الله و رسوله فهجرته الی الله و رسوله، و من کانت هجرته لدنیا یصیبها أو امراة یتزوجها فهجرته الی ما هاجر الیه)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اعمال کا مدار نیت پر ہے (یعنی نیت ہی سے ان میں ثواب ملتا ہے) اور ہر آدمی کو وہی ملے گا جو نیت کرے پھر جو کوئی اپنا دیس اللہ اور اس کے رسول کے لئے چھوڑے گا اس کی ہجرت اللہ اور رسول کی طرف ہو گی اور جو کوئی دنیا کمانے کے لئے یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لئے دیس چھوڑے گا تو اس کی ہجرت انہی کاموں کے لئے ہو گی۔

Marfat.com

توضیح: اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ ایک شخص نے ہجرت کی اور مدینہ منورہ پہنچتے ہی ام قیس نامی خاتون سے شادی کرلی جس سے بظاہر یوں محسوس ہوا کہ عمل ہجرت سے مقصود نکاح بھی تھا، چونکہ یہ عمل ان کے شایان شان نہیں تھا اس لئے آپ نے تنبیہ فرمائی(۲۱۴)

حدیث کا مقصود یہ ہے کہ اعمال کا ثمر آور ہونا یا نہ ہونا اور ان سے اچھے یا برے نتائج کا برآمد ہونا، نیت و ارادہ ہی پر موقوف ہے، بسااوقات اچھا عمل برے ارادہ کی وجہ سے برا ہوجاتا ہے جیسے منافقین نے مسجد بنانے کا بظاہر نیک عمل تو کیا لیکن مقصد چونکہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانا، ان میں تفرقہ ڈالنا اور کفر کی طاقتوں کا مرکز بنانا تھا، اس لئے مسجد بنانے کا عمل ہی برا ٹھہرا چنانچہ مذکورہ مسجد "مسجد ضرار" کہلائی، اس لئے ضروری ہے کہ انسان ہر وقت اپنی نیت کا جائزہ لیتا رہے، امام غزالی نے نیت سے متعلق ایک مثال دی ہے کہ ایک شخص کھڑا ہے، اسے کسی نے زور سے دھکا دیا اور وہ اوندھا منہ جا پڑا اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ قصدا سجدہ کرے۔ اس مثال سے اختیاری اور اضطراری عمل کا فرق واضح ہوجاتا ہے مگر اس اختیار و ارادہ کو نیت اس وقت کہیں گے جب یہ سوچ کر سجدہ میں جائے کہ اللہ کی رضا کے لئے سجدہ کر رہا ہوں تو دل میں پیدا ہونے والا یہ داعیہ ہی نیت ہے(۲۱۵)

حدیث کا پہلا جملہ تمہید ہے اور مقصود دوسرا جملہ ہے کہ ہر شخص کو وہی چیز دی جائے گی جو اس کی نیت میں ہے(۲۱۶) بعد ازیں اس کی تشریح ہے کہ جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے تو اس کی قبولیت میں کچھ شک نہیں اور جس نے دنیا کمانے یا کسی خاتون سے نکاح کی غرض سے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اسی کام کے لئے متصور ہوگی، حدیث کا یہ مفہوم نہیں کہ اس نیت سے ہجرت کرنے والے کو گناہ ہوگا کیونکہ نکاح کوئی ناجائز فعل نہیں ہے۔

حدثنا حجاج بن منهال قال حدثنا شعبة قال: اخبرنی عدی بن اثبت قال سمعت عبدالله بن یزید عن ابی مسعود عن النبی صلی الله علیه وسلم قال (اذا انفق الرجل علی اهله یحتسبها

Marfat.com

فهو له صدقة)

ترجمہ: ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب کوئی اپنے گھر والوں پر ثواب کی نیت سے (اللہ کا حکم سمجھ کر) خرچ کرے تو صدقے کا ثواب پائے گا۔

حدثنا الحكم بن نافع قال: اخبرنا شعيب عن الزهرى قال: حدثنى عامر بن سعد عن سعد بن أبى وقاص انه اخبره ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: (انك لن تنفق نفقة تبتغى بها وجه الله الا اجرت عليها حتى ماتجعل فى فى امرأتك)

ترجمہ: سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تو جو کچھ خرچ کرے اور اس سے تیری نیت اللہ کی رضامندی کی ہو تو تجھ کو اس کا ثواب ملے گا یہاں تک کہ اس پر بھی جو تو اپنی بیوی کے منہ میں ڈالے۔

ان احادیث کا مفہوم یہ ہے کہ انسان معمول کے مطابق انجام دیئے جانے والے معاشرتی اعمال اور ازدواجی تقاضے میں اگر اس امر کا بھی قصد و ارادہ کرلے کہ وہ اس طرح اللہ تعالی کے ایک حکم کو پورا کررہا ہے تو پھر ان اعمال کی انجام دہی سے بھی اجر و ثواب کا استحقاق ہوتا ہے، کیونکہ معاشرتی اعمال اور ازدواجی تقاضوں کو بھی بحسن و خوبی اور متوازن انداز سے انجام دینا بھی منشائے ایزدی ہے۔

حدیث سعد رضی اللہ عنہ کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت سعد بیمار ہوئے تو رسول اکرم ﷺ ان کی عیادت کیلئے تشریف لے گئے تو انہوں نے اپنی بیماری کو مرض الموت تصور کرتے ہوئے آپ سے نصیحت کی درخواست کی تاکہ اسکی روشنی میں وہ وصیت کرسکیں اور وہ ان کے آخرت میں کام آئے اس وقت آپ نے فرمایا ابھی تم مروگے نہیں، ابھی بہت کماؤ گے اور خرچ کروگے تاہم اگر نیت اچھی ہو تو ہر خرچ پر اجر و ثواب ملے گا(۲۱۷)

Marfat.com

دین اور نصیحت

باب قول النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم (الدین النصیحۃ للّٰہ و لرسولہ و لائمۃ المسلمین و عامتھم) و قولہ تعالی: اذا نصحوا للّٰہ و رسولہ. (۲۱۸)

(باب آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ دین سچے دل سے اللہ کی فرمانبرداری اور اس کے پیغمبر، مسلمان قیادت اور تمام مسلمانوں کی خیر خواہی ہے اور اللہ تعالی نے (سورۂ توبہ میں) فرمایا جب وہ اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی کریں۔)

مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی اور بھلائی کا برتاؤ کرنا بھی دین کا حصہ ہے اس لئے اس کا بھی اہتمام ضروری ہے، حدیث میں دین کو نصیحۃ کہا گیا ہے جبکہ یہ واضح ہوچکا ہے کہ دین اور ایمان ہم معنی ہیں لہذا نصیحت اور ایمان میں تعلق ثابت ہوگیا، چونکہ نصیحۃ میں کئی مراتب و درجات ہیں اس لئے ایمان میں بھی کئی ایک مراتب ہوئے اور یوں ایمان میں کمی و بیشی کا موقف ثابت ہوتا ہے۔

امام بخاری نے ترجمہ (عنوان) میں جو حدیث ذکر کی ہے وہ اسے اپنی شرائط کے مطابق نہ ہونے کے سبب متن میں نہیں لائے، اس حدیث کو رسول اکرم ﷺ کے جوامع الکلم (کم الفاظ میں طویل مضمون کی عبارت) میں سے شمار کیا گیا ہے۔(۲۱۹)

نصیحۃ کے لغت میں دو معنی آتے ہیں، ایک آمیزش سے مبرا، صاف اور خالص اور دوسرا ٹوٹے ہوئے اجزاء کو ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ اور جمع کردینا(۲۲۰) اور عرف میں جس کو نصیحت کہا جاتا ہے اس میں بھی یہی دو چیزیں ہوتی ہیں، یعنی خلوص کے ساتھ شکستہ حالت کو سنوار دینا اور یہی خیر خواہی کہلاتی ہے اور دین اسی خیر خواہی کا نام ہے، اللہ کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ انسان اسکو دل سے واحد

Marfat.com

لاشریک اور تمام صفات کمال سے موصوف مانے، اس کی عبادت اور اس کے تکوینی و تشریعی احکام میں کسی کو شریک نہ مانے، رسول کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ ان کی تصدیق و فرمانبرداری کرے اور جان و مال سے ان کی حمایت پر کمر بستہ رہے، آئمہ مسلمین دو قسم کے ہیں، آئمہ علم و ہدایت کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ ان کی ہدایت پر عملدر آمد کرے، اس کی اشاعت کرے اور ان کی عزت و توقیر کرے، آئمہ سیاست کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ ان امور میں ان کی اطاعت کرے جن میں اللہ تعالی کے احکام کی نافرمانی نہ ہوتی ہو، اور عام مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ ان کے ساتھ انفرادی و اجتماعی سطح پر حسن سلوک، ہمدردیؐ، اخوت، مساوات اور عدل کا برتاؤ کیا جائے اور انہیں متوازن معاشرہ فراہم کیا جائے(۲۲۱)

حدثنا مسدد قال: حدثنا يحيى: عن اسماعيل قال: حدثنى قيس بن ابى حازم، عن جرير بن عبدالله قال: بايعت رسول الله صلى الله عليه وسلم على اقام الصلاة، و ايتاء الزكاة و النصح لكل مسلم.

ترجمہ: جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا آنحضرت ﷺ سے میں نے بیعت کی ان باتوں پر کہ نماز قائم کروں گا اور زکوۃ دیا کروں گا اور ہر مسلمان کا خیر خواہ رہوں گا۔

حدثنا ابوالنعمان قال: حدثنا ابوعوانة عن زياد بن علاقة قال: سمعت جرير بن عبدالله يقول: يوم مات المغيرة بن شعبة قال فحمدالله و اثنى عليه و قال: عليكم باتقاء الله وحده لاشريک له، و الوقار و السكينة حتى يأتيكم امير، فانما ياتيكم الان، ثم قال: استعفوا لاميركم فانه كان يحب العفو، ثم قال: اما بعد فانى أتيت النبى صلى الله عليه وسلم قلت: ابايعک على الاسلام فشرط على: و النصح لكل مسلم، فبايعته على هذا، و رب هذا المسجد انى لناصح لكم، ثم

Marfat.com

استغفر و نزل.

ترجمہ: زیاد بن علاقہ سے روایت ہے میں نے جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے سنا جس دن مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ (کوفہ کے حاکم) رحلت کر گئے تو وہ خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے اور اللہ کی تعریف اور خوبی بیان کی اور کہا تم کو اکیلے اللہ کا ڈر رکھنا چاہئے اس کا کوئی ساجھی نہیں اور تحمل اور اطمینان سے رہنا چاہئے اس وقت تک کہ دوسرا کوئی حاکم تمہارے اوپر آئے وہ اب آنے والا ہے پھر یہ کہا کہ اپنے (مرحوم) حاکم کے لئے مغفرت کی دعا مانگو کیونکہ وہ بھی (یعنی مغیرہ) معافی کو پسند کرتے تھے (یعنی جابر حکمران نہیں تھے) پھر کہا اس کے بعد تم کو معلوم ہو کہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور میں نے عرض کیا میں آپ سے اسلام پر بیعت کرتا ہوں ان پر آپ ﷺ نے مجھ پر ہر ایک مسلمان کی خیر خواہی کی شرط رکھی میں نے اسی شرط پر آپ سے بیعت کرلی اس مسجد کے مالک کی قسم میں تمہارا خیر خواہ ہوں پھر استغفار کیا اور (منبر پر سے) اتر گئے۔

توضیح: خلیفہ عادل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کوفہ کے گورنر مقرر کئے گئے تھے، جب ۵۰ھ میں حضرت مغیرہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور نصیحت کی، چنانچہ حضرت مغیرہ کے انتقال کے بعد حضرت جریر (انہوں نے رسول اکرم ﷺ کی رحلت سے چھ ماہ قبل اسلام قبول کیا تھا، آپ انہیں دیکھ کر تبسم فرماتے تھے، خوبصورت ہونے کی وجہ سے اس امت کے یوسف کہلاتے تھے) منبر پر تشریف فرما ہوئے اور لوگوں کو نصیحت کی اور حادثہ ارتحال کو صبر و سکون سے برداشت کرنے کی تلقین کی نیز فرمایا کہ نئے گورنر کی آمد تک کسی انتشار اور خلفشار کا مظاہرہ نہیں ہونا چاہئے، بعد ازیں حضرت مغیرہ کے لئے دعائے مغفرت کرائی اور بتایا کہ وہ بڑے عفو پسند تھے یعنی روایتی انداز کے سخت گیر حاکم نہیں تھے، پھر اس غلط فہمی کا ازالہ کیا کہ شاید اپنے لئے راہ ہموار کر رہے ہوں اور کہا چونکہ میں نے عوام الناس کی خیر خواہی پر

رسول اکرم ﷺ سے بیعت کی تھی اس لئے فرض سمجھتا ہوں کہ اس حادثہ کے موقع پر تمہاری خیر خواہی میں کچھ کلمات ادا کروں، آخر میں خود احتسابی کے جذبے کے تحت استغفار کے کلمات ادا کئے کہ بلند مقام (منبر) پر بیٹھنے سے نفس میں کبر کا اندیشہ تھا اور یوں اپنی ذمہ داری سے فارغ ہو کر نیچے اتر آئے۔

اسی کے ساتھ ہم بھی کتاب الایمان کے صحیح بخاری کے حوالہ سے مطالعہ سے فارغ ہوئے، اللہ تعالی ہمیں شعور و اخلاص کے ساتھ عمل خیر کی توفیق دے، آمین۔

حوالہ جات

۱) راغب: المفردات فی غریب القرآن ص ۲۴ باب الالف

۲) تفتازانی: شرح عقائد نسفی ص ۹۰، عینی: عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۲۰

۳) عینی: عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۲۱، کشمیری: فیض الباری ج ۱ ص ۴۹

۴) کشمیری: فیض الباری ج ۱ ص ۶۹

۵) بخاری: الجامع الصحیح ج ۱ ص ۲۱

۶) کشمیری: فیض الباری ج ص ۷۰

۷) عینی: عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۲۱ تا ۱۲۸، عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۲۴۵ تا ۲۴۷

۸) عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۲۵۸

۹) ایمنی: لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر (ابتدائی صفحات)

۱۰) کشمیری: فیض الباری ج ۱ ص ۷۸

۱۱) القرآن، الفتح: ۴

۱۲) القرآن، الکہف: ۱۴

۱۳) القرآن، مریم: ۷۶

۱۴) القرآن، محمد: ۱۴

۱۵) القرآن، المدثر: ۱۵

Marfat.com

۱۶) القرآن، التوبہ: ۱۲۴

۱۷) القرآن، آل عمران: ۱۷۳

۱۸) القرآن، الاحزاب: ۲۲

۱۹) ابوداؤد: سنن ج۲ ص۲۸۷

۲۰) ابن حجر: فتح الباری ج۱ ص۴۴

۲۱) ابن حجر: فتح الباری ج۱ ص۴۵

۲۲) القرآن، البقرہ: ۲۶۰

۲۳) ابن حجر: فتح الباری ج۱ ص۴۵

۲۴) عینی: عمدۃ القاری ج۱ ص۱۳۶

۲۵) ابن حجر: فتح الباری ج۱ ص۴۵

۲۶) ابن حجر: فتح الباری ج۱ ص۴۶

۲۷) القرآن، الشوری: ۱۳

۲۸) القرآن، المائدۃ: ۴۸

۲۹) ابن حجر: فتح الباری ج۱ ص۴۶

۳۰) القرآن، الفرقان: ۷۷

۳۱) ابن حجر: فتح الباری ج۱ ص۴۶

۳۲) عثمانی: فضل الباری ج۱ ص۲۹۶

۳۳) القرآن، التوبہ: ۳۱

۳۴) سندھی: شعور و آگہی ص۲۴

۳۵) محمد طیب: فلسفہ نماز ۳۸-۴۴

۳۶) القرآن، البقرۃ: ۱۹۷

۳۷) مسلم: الصحیح ج۱ ص۲۲

۳۸) ابن حجر: فتح الباری ج۱ ص۴۸

۳۹) جیلانی: غنیۃ الطالبین ج۱ ص۵۲۹

۴۰) دہلوی: ہمعات ص۶۶

۴۱) راغب: المفردات فی غریب القرآن ص۱۴۰

۴۲) کشمیری: فیض الباری ج۱ ص۱۰۵

(۴۳) عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۳۱۹

(۴۴) ابن حجر: فتح الباری ج ۱، ص ۵۰، شرح نخبۃ الفکر ص ۹۷، سیوطی: تدریب الراوی ص ۴۲۶

(۴۵) عثمانی: درس بخاری ص ۱۵۱

(۴۶) عثمانی: فضل الباری خ ۱ ص ۳۲۴

(۴۷) کشمیری: فیض الباری ج ۱ ص ۷۹

(۴۸) ٹونکی: درس صحیح ص ۲۵

(۴۹) القرآن، الممتحنہ: ۸-۹

(۵۰) ٹونکی: درس صحیح ص ۲۵

(۵۱) ابن حجر: شرح نخبۃ الفکر ص ۵۲، سیوطی: تدریب الراوی ص ۱۳۶

(۵۲) مسلم: الصحیح ج ۱ ص ۴۸

(۵۳) عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۳۲۹

(۵۴) سندھی: قرآنی دستور انقلاب ص ۲۵-۲۶

(۵۵) عثمانی: درس بخاری ص ۱۶۴-۱۶۵

(۵۶) القرآن، التطفیف: ۱ تا ۳

(۵۷) راغب: المفردات فی غریب القرآن ص ۱۰۳

(۵۸) عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۳۳۷، ۳۳۸

(۵۹) کشمیری: فیض الباری ج ۱ ص ۸۴

(۶۰) کشمیری: فیض الباری ج ۱ ص ۸۴

(۶۱) ابن حجر: فتح الباری ج ۱ ص ۵۸

(۶۲) ابن حجر: فتح الباری ج ۱ ص ۶۰

(۶۳) ابن حجر: فتح الباری ج ۱ ص ۶۰، کشمیری: فیض الباری ج ۱ ص ۸۵

(۶۴) عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۳۵۲

(۶۵) عینی: عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۸۳

(۶۶) راغب: المفردات فی غریب القرآن ص ۶۳

(۶۷) عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۳۶۲

(۶۸) کشمیری: فیض الباری ج ۱ ص ۹۳

Marfat.com

۶۹) عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۳۶۵
۷۰) عثمانی: درس بخاری ص ۱۸۱
۷۱) عینی: عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۹۱، غزالی: احیاء علوم الدین ج ۲ ص ۲۸۲
۷۲) کشمیری: فیض الباری ج ۱ ص ۹۷
۷۳) الخطیب: مشکوۃ المصابیح ص ۷۵۷ - ۷۵۸
۷۴) دہلوی: حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۰۵
۷۵) سندھی: شعور و آگہی ص ۳۸
۷۶) جلبانی: شاہ ولی اللہ کی تعلیم ص ۲۰۰
۷۷) ابن ماجہ: سنن ص ۳۰۸
۷۸) عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۳۱۹
۷۹) الخطیب: مشکوۃ المصابیح ص ۱۳۰
۸۰) سیوہاروی: اخلاق و فلسفۂ اخلاق ص ۵۰۷
۸۱) ابن حجر: فتح الباری ج ۱ ص ۴۷
۸۲) کشمیری: فیض الباری ج ۱ ص ۱۰۶
۸۳) عثمانی: موضح الفرقان ص ۶۴۱
۸۴) عثمانی: درس بخاری ص ۲۰۹
۸۵) القرآن، الحجرات: ۱۴
۸۶) القرآن، آل عمران: ۱۹
۸۷) عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۳۹۹
۸۸) دہلوی: حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۰۶
۸۹) عثمانی: درس بخاری ص ۲۱۳
۹۰) ابن حجر: فتح الباری ج ۱ ص ۷۵، کشمیری: فیض الباری ج ۱ ص ۱۱۲
۹۱) القرآن، النساء: ۸۶
۹۲) محمد حبیب اللہ: اسلامی آداب معاشرت ج ۱ ص ۶۶ - ۶۷
۹۳) راغب: المفردات فی غریب القرآن ص ۷۴۴
۹۴) ابن کثیر: تفسیر القرآن العظیم ج ۲ ص ۶۱
۹۵) راغب: المفردات فی غریب القرآن ص ۱۷۵

۹۶) بخاری: الجامع الصحیح ج ۱ ص ۴۴

۹۷) کشمیری: فیض الباری ج ۱ ص ۱۱۸

۹۸) الخطیب: مشکوۃ المصابیح ص ۲۸۲

۹۹) سندھی: شعور و آگہی ص ۲۴

۱۰۰) القرآن، النساء: ۴۸

۱۰۱) القرآن، الحجرات: ۹

۱۰۲) عثمانی: درس بخاری ص ۲۲۱

۱۰۳) ابن خلدون: مقدمہ ص ۱۴۴

۱۰۴) سندھی: شعور و آگہی ص ۱۰۴ تا ۱۰۶

۱۰۵) ابوداود: سنن ج ۲ ص ۳۴۵

۱۰۶) مفتی محمد شفیع: معارف القرآن ج ۸ ص ۲۴ تا ۲۷

۱۰۷) راغب: المفردات فی غریب القرآن ص ۳۱۸

۱۰۸) دہلوی: الفوز الکبیر ص ۲۲

۱۰۹) راغب: المفردات فی غریب القرآن ۴۶۳

۱۱۰) راغب: المفردات فی غریب القرآن ۵۲۲

۱۱۱) عثمانی: درس بخاری ص ۲۳۳

۱۱۲) غزالی: احیاء علوم الدین ج ۳ ص ۱۶۷

۱۱۳) کشمیری: فیض الباری ج ۱ ص ۱۲۴

۱۱۴) دہلوی: حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۶۲

۱۱۵) کشمیری: فیض الباری ج ۱ ص ۱۲۵

۱۱۶) راغب: المفردات فی غریب القرآن ص ۴۰۴، عینی: عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۶۲

۱۱۷) ترمذی: الجامع ج ۲ ص ۱۲۵

۱۱۸) الخطیب: مشکوۃ المصابیح ج ۱ ص ۱۶۲

۱۱۹) ابن حجر: فتح الباری ج ۱ ص ۸۵

۱۲۰) مجلہ عزم ص ۹

۱۲۱) القرآن، النساء: ۷۷

۱۲۲) اقبال: تاریخ تصوف ص ۳۰

۱۲۳) محمد میاں: علماء ہند کا شاندار ماضی ج ۲ ص ۱۰۲-۱۰۳

۱۲۴) کشمیری: فیض الباری ج ۱ ص ۱۲۷

۱۲۵) ابوداود: سنن ج ۱ ص ۳۳۸

۱۲۶) عینی: عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۶۹

۱۲۷) ابوداود: سنن ج ۱ ص ۳۳۸

۱۲۸) راغب: المفردات فی غریب القرآن ص ۱۰۰

۱۲۹) القرآن، التوبہ: ۷۳

۱۳۰) القرآن، البقرۃ: ۲۵۶

۱۳۱) محمد میاں: علماء ہند کا شاندار ماضی ج ۲ ص ۲۱

۱۳۲) القرآن، البقرۃ: ۲۵۱

۱۳۳) القرآن، التوبہ: ۳۹

۱۳۴) دہلوی: الخیر الکثیر ص ۱۸۱

۱۳۵) محمد میاں: علماء ہند کا شاندار ماضی ج ۲ ص ۲۲

۱۳۶) ابن عابدین: رد المختار ج ۴ ص ۱۲۱

۱۳۷) عبداللہ ناصح: مسلمان نوجوان ص ۸۳

۱۳۸) سندھی: خطبات و مقالات ص ۱۴۲

۱۳۹) سندھی: خطبات و مقالات ص ۱۴۳

۱۴۰) پروین روزینہ: خطبات جمعیۃ علماء ہند ج ۱ ص ۷۱

۱۴۱) دہلوی: البدر والبازغہ ص ۸۰

۱۴۲) ترمذی: الجامع ج ۲ ص ۱۱۹

۱۴۳) الخطیب: مشکوۃ المصابیح ص ۱۹۲

۱۴۴) الخطیب: مشکوۃ المصابیح ص ۱۸۸

۱۴۵) انوار الحسن: روح رمضان ص ۲۵۹-۲۶۰

۱۴۶) ترمذی: الجامع ج ۲ ص ۱۱۹

۱۴۷) سندھی: قرآنی جنگ انقلاب ص ۵۵، عثمانی: موضح الفرقان ص ۱۴۰ (بذیل آیت ۸ سورۂ مائدہ)

۱۴۸) القرآن، النحل: ۹۰

Marfat.com

۱۴۹) محمد زکریا: فضائل رمضان ص ۳-۴ بحوالہ صحیح ابن خزیمہ
۱۵۰) راغب: المفردات فی غریب القرآن ص
۱۵۱) القرآن، البقرۃ: ۱۴۳
۱۵۲) سندھی: قرآنی دستور انقلاب ص ۱۵۸
۱۵۳) عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۴۶۷
۱۵۴) ابن حجر: فتح الباری ج ۱ ص ۸۹
۱۵۵) القرآن، البقرۃ: ۱۴۴
۱۵۶) عینی: عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۸۸
۱۵۷) عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۴۷۷ تا ۴۷۹ و ایضاً درس بخاری ص ۲۵۱
۱۵۸) عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۴۸۲-۴۸۳
۱۵۹) القرآن، الانفال: ۳۸
۱۶۰) مسلم: الصحیح ج ۱ ص ۷۵
۱۶۱) نووی: شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۷۶، ۷۷، عثمانی: درس بخاری ص ۲۵۶، ۲۵۷
۱۶۲) راغب: المفردات فی غریب القرآن ص ۴۸۹
۱۶۳) عینی: عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۹۹، کشمیری: فیض الباری ج ۱ ص ۱۳۷
۱۶۴) محمد شفیع: معارف القرآن ج ۳ ص ۳۶
۱۶۵) وہ روایت جو کسی متفرد راوی (صحابی کے علاوہ) کی حدیث کے موافق ہو، ابن حجر: شرح نخبۃ الفکر ص ۴۴، سیوطی: تدریب الراوی ص ۱۵۴
۱۶۶) وہ راوی جو اپنے شیخ کا ذکر نہ کرے اور ایسے شخص سے روایت کا تاثر دے جس سے اس نے وہ روایت نہ سنی ہو، ابن حجر: شرح نخبۃ الفکر ص ۵۶، سیوطی: تدریب الراوی ص ۱۳۹
۱۶۷) وہ سند جس میں راوی "عن" سے روایت کر رہے ہوں، ابن حجر: شرح نخبۃ الفکر ص ۱۰۵، سیوطی: تدریب الراوی ص ۱۳۲
۱۶۸) ابن حجر: فتح الباری ج ۱ ص ۹۷
۱۶۹) کشمیری: فیض الباری ج ۱ ص ۱۰۰
۱۷۰) القرآن، البینہ: ۵، ۶
۱۷۱) عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۴۹۹
۱۷۲) مسلم: الصحیح ج ۱ ص ۳۰
۱۷۳) سیوہاروی: اسلام کا اقتصادی نظام ص ۵۹

Marfat.com

۱۷۴) القرآن، التوبہ: ۳۴-۳۵

۱۷۵) قاسمی: سماجی انصاف اور اجتماعیت ص ۳۰-۳۱

۱۷۶) القرآن، البقرۃ: ۱۷۷

۱۷۷) ترمذی: الجامع ج ۱ ص ۱۲۳

۱۷۸) القرآن، الحجرات: ۲

۱۷۹) عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۵۱۱

۱۸۰) القرآن، الصف: ۳

۱۸۱) عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۵۱۵

۱۸۲) ابن حجر: فتح الباری ج ۱ ص ۱۰۲

۱۸۳) القرآن، آل عمران: ۱۳۵

۱۸۴) کشمیری: فیض الباری ج ۱ ص ۱۴۵، عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۵۲۱

۱۸۵) القرآن، آل عمران: ۸۵

۱۸۶) ابن حجر: فتح الباری ج ۱ ص ۱۰۷

۱۸۷) مسلم: الصحیح ج ۱ ص ۲۷

۱۸۸) القرآن، الاعراف: ۵۴

۱۸۹) القرآن، التحریم: ۶

۱۹۰) سندھی: شعور و آگہی ص ۷۰

۱۹۱) محمد طیب: طریقت، شریعت اور سیاست ص ۸ اور ۱۰

۱۹۲) ٹونکی: درس صحیح ص ۴۵

۱۹۳) راغب: المفردات فی غریب القرآن ص ۳۷۳

۱۹۴) کشمیری: فیض الباری ج ۱ ص ۱۵۱، عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۵۴۱

۱۹۵) عثمانی: درس بخاری ص ۲۹۱-۲۹۲

۱۹۶) ابن حجر: فتح الباری ج ۱ ص ۱۱۱

۱۹۷) عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۵۴۳

۱۹۸) بخاری: الصحیح ج ۱ ص ۴

۱۹۹) غزالی: احیاء علوم الدین ج ۲ ص ۱۲۴

۲۰۰) عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۵۴۵

۲۰۱) سندھی: قرآنی اقدام انقلاب ص ۱۶-۲۲

۲۰۲) بخاری: الجامع الصحیح ج ۱ ص ۱۹، مسلم: الصحیح ج ۱ ص ۳۴
۲۰۳) ابن حجر: فتح الباری ج ۱ ص ۱۲۰
۲۰۴) موصلی: الاختیار لتعلیل المختار ج ۱ ص ۱۵۸
۲۰۵) مسلم: الصحیح ج ۱ ص ۳۴
۲۰۶) عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۵۵۰
۲۰۷) حدیث نبوی کے مطابق ان میں دو خوبیاں ایسی تھیں جو اللہ کو محبوب ہیں، حلم (بردباری) اور وقار (خودداری)، مسلم: الصحیح ج ۱ ص ۳۵
۲۰۸) عثمانی: فتح الملہم ج ۱ ص ۴۷، فضل الباری ج ۱ ص ۵۵۱
۲۰۹) ابن جوزی: کتاب الاذکیاء ص ۳۱
۲۱۰) ابن حجر: فتح الباری ج ۱ ص ۱۲۳، عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۵۵۴
۲۱۱) مسلم: الصحیح ج ۲ ص ۱۶۷، ترمذی: الجامع ج ۲ ص ۱۷
۲۱۲) شیخ الہند: ایضاح الادلہ ص ۱۲۰، ۱۲۱
۲۱۳) القرآن، بنی اسرائیل: ۸۴
۲۱۴) عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۱۳۹
۲۱۵) عثمانی: فضل الباری ج ۱ ص ۱۴۵
۲۱۶) کشمیری: فیض الباری ج ۱ ص ۱۱
۲۱۷) عثمانی: درس بخاری ص ۳۰۷
۲۱۸) القرآن، التوبہ: ۹۱
۲۱۹) مسلم: الصحیح ج ۱ ص ۵۴، ابن حجر: فتح الباری ج ۱ ص ۱۲۷
۲۲۰) راغب: المفردات فی غریب القرآن ص ۵۱۴
۲۲۱) ابن حجر: فتح الباری ج ۱ ص ۱۲۸

Marfat.com

مصادر و مراجع

۱۔ القرآن الحکیم

۲۔ اقبال، محمد ڈاکٹر (۱۹۳۸ء) تاریخ تصوف (ترتیب پروفیسر محمد صابر کلوروی)

لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت ۱۹۸۵ء طبع اول

۳۔ امینی، محمد تقی مولانا (۱۹۹۱ء) لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر

دہلی: ندوۃ المصنفین ۱۹۶۵ء طبع اول

۴۔ انوار الحسن انوار، پروفیسر، روح رمضان لاہور: نذر سنز ۱۹۶۲ء

۵۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، ابو عبداللہ، امام (۲۵۶ھ) الجامع الصحیح المسند من احادیث رسول اللہ علیہ وسلم وسننہ وایامہ

کراچی: نور محمد اصح المطابع و کارخانہ تجارت کتب ۱۹۶۱ء طبع دوم

۶۔ پروین روزینہ، جمعیت علماء ہند (دستاویزات)

اسلام آباد: قومی ادارہ برائے تحقیق و تاریخ و ثقافت ۱۹۸۰ء طبع اول

۷۔ الترمذی، محمد بن عیسی بن سورہ، ابو عیسی الامام (۲۷۹ھ)
الجامع، کراچی: قرآن محل
۸۔ تفتازانی، سعد الدین (۷۹۲ھ) شرح عقائد نسفی،
فرنگی محل: مطبع یوسفی ۱۳۲۲ھ طبع سوم
۱۰۔ جلبانی، غلام حسین، پروفیسر، شاہ ولی اللہ کی تعلیم
حیدر آباد: شاہ ولی اللہ اکیڈمی ۱۹۷۵ء
۱۱۔ ابن الجوزی، عبد الرحمن بن علی (۵۹۷ھ) کتاب الاذکیاء
(اردو ترجمہ: مولانا اشتیاق احمد نقشبندی)
لاہور: رائٹرز بک کلب خاتون سیریز ۱۴
۱۲۔ جیلانی، عبد القادر، محی الدین، ابو محمد الشیخ (۵۶۱ھ)
غنیۃ الطالبین مع فتوح الغیب (مترجم)
کراچی: مکتبہ سعودیہ
۱۳۔ ابن حبان، محمد بن احمد، التمیمی، ابو حاتم (۳۵۴ھ)
المسند الصحیح علی التقاسیم والانواع
(ترتیب: الامیر علاؤ الدین الفارسی (۷۹ ۳ھ) تحقیق: احمد محمد شاکر)
مصر: دار المعارف ۱۳۷۲ھ
۱۴۔ ابن حجر، احمد بن علی بن محمد بن محمد، ابو الفضل، شہاب الدین، العسقلانی (۸۵۲ھ) فتح الباری
بشرح صحیح البخاری، بولاق، مصر المحمیۃ: المطبعۃ الکبری الامیریہ، ۲۳۰۰ طبع اول
۱۵۔ ابن حجر، احمد بن علی محمد بن محمد، ابو الفضل، شہاب الدین، العسقلانی (۸۵۲ھ) نزہۃ النظر فی
توضیح نخبۃ الفکر

Marfat.com

کراچی: نور محمد اصح المطابع و کارخانہ تجارت کتب

۱۶۔ الخطیب محمد بن عبداللہ 'ابو عبداللہ ولی الدین' مشکاۃ المصابیح

کراچی: ایچ ایم سعید کمپنی ۱۳۹۴ھ

۱۷۔ ابن خلدون 'عبدالرحمن' المغربی (۸۰۸ھ) کتاب العبر و دیوان المبتدأ والخبر فی ایام العرب والعجم والبربر و من عاصرہم من ذوی السلطان الاکبر المعروف بالمقدمہ 'مصر: المطبعۃ البہیۃ

۱۸۔ ابو داؤد 'سلیمان بن اشعث' السجستانی (۲۷۵ھ) السنن

کراچی: ایچ ایم سعید کمپنی ۱۴۰۲ھ

۱۹۔ دہلوی 'شاہ ولی اللہ 'قطب الدین احمد (۱۱۷۶ھ) البازغہ

حیدر آباد: شاہ ولی اللہ اکیڈمی

۲۰۔ دہلوی 'شاہ ولی اللہ 'قطب الدین احمد (۱۱۷۶ھ) حجۃ اللہ البالغہ

قاہرہ: ادارۃ الطباعۃ المنیریہ ۱۳۵۲ھ

۲۱۔ دہلوی 'شاہ ولی اللہ 'قطب الدین احمد (۱۱۷۶ھ) الخیر الکثیر

(املاء: مولانا عبیداللہ سندھی' تحقیق و ترجمہ: مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی)

حیدر آباد: شاہ ولی اللہ اکیڈمی ۱۹۷۷ء طبع اول

۲۲۔ دہلوی 'شاہ ولی اللہ 'قطب الدین احمد (۱۱۷۶ھ) الفوز الکبیر فی اصول التفسیر

(عربی ترجمہ: علامہ محمد منیر الدمشقی الازہری)

کراچی: میر محمد کتب خانہ مرکز علم و ادب

۲۳۔ دہلوی شاہ ولی اللہ 'قطب الدین احمد (۱۱۷۶ھ) تمعات

(اردو ترجمہ: عبداللہ کرنالوی)

کراچی: خانقاہ قادریہ مجددیہ ۱۹۶۳ء طبع سوم

۲۴۔ الراغب الاصفہانی، حسین بن محمد بن مفضل (۵۰۲ھ)
المفردات فی غریب القرآن
کراچی: نور محمد اصح المطابع و کارخانہ تجارت کتب ۱۹۶۱ء
۲۵۔ سندھی عبید اللہ، مولانا (۱۹۴۴ء) خطبات و مقالات
(ترتیب: پروفیسر محمد سرور)
لاہور سندھ ساگر اکیڈمی ۱۹۸۱ء اشاعت دوم
۲۶۔ سندھی، عبید اللہ، مولانا (۱۹۴۴ء) شعور و آگہی
(ترتیب: سید مطلوب علی زیدی)
لاہور: عزیز پبلی کیشنز ۱۹۸۴ء طبع اول
۲۷۔ سندھی، عبید اللہ، مولانا (۱۹۴۴ء) قرآنی اقدام انقلاب
(ترتیب: غازی خدا بخش و شیخ بشیر احمد)
لاہور: شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن
۲۸۔ سندھی، عبید اللہ، مولانا (۱۹۴۴ء) قرآنی جنگ انقلاب
(ترتیب: شیخ بشیر احمد لدھیانوی)
گوجرانوالہ: مکتبہ حنفیہ
۲۹۔ سندھی، عبید اللہ، مولانا (۱۹۴۴ء) قرآنی دستور انقلاب
(ترتیب: شیخ بشیر احمد لدھیانوی)
لاہور: ادارہ نشریات اسلام
۳۰۔ السیوطی، عبد الرحمن بن ابی بکر، جلال الدین (۹۱۱ھ)
تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی

المدینہ المنورۃ: المکتبۃ العلمیہ ۱۹۵۹ء طبع اول

۳۱۔ سیوہاروی، محمد حفظ الرحمن، مولانا (۱۹۵۸ء) اخلاق و فلسفہ اخلاق

لاہور: مکتبہ رحمانیہ ۱۹۷۶ء

۳۲۔ سیوہاروی، محمد حفظ الرحمن، مولانا (۱۹۵۸ء) اسلام کا اقتصادی نظام

دہلی: ندوۃ المصنفین ۱۹۴۲ء طبع دوم

۳۳۔ صدیقی، حیدر زمان، اسلام کا نظریہ جہاد

لاہور: یونیورسل بکس ۱۹۸۶ء

۳۴۔ ابن عابدین، محمد امین، الشامی (۱۲۵۲ء)

حاشیہ رد المحتار علی الدر المختار شرح تنویر الابصار

کراچی: ایچ ایم سعید کمپنی

۳۵۔ عبداللہ ناصح علوان، مسلمان نوجوان، فرائض اور ذمہ داریاں

(ترجمہ: ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار)

کراچی: دارالتصنیف جامعہ علوم اسلامیہ ۱۴۱۰ھ)

۳۶۔ عثمانی، شبیر احمد، علامہ (۱۹۴۹ء) درس بخاری

(ضبط و تحریر: مولانا عبدالوحید صدیقی) ڈابھیل، گجرات (بھارت)

جامعہ اسلامیہ، ۱۴۰۰ھ

۳۷۔ العثمانی، شبیر احمد، العلامہ (۱۹۴۹ء) فتح الملہم بشرح صحیح مسلم

کراچی: مکتبۃ الحجاز، طبع اول

۳۸۔ عثمانی، شبیر احمد علامہ (۱۹۴۹ء) فضل الباری شرح اردو صحیح البخاری

(ترتیب و مراجعت: قاضی عبدالرحمن)

Marfat.com

کراچی: ادارہ علوم شرعیہ، ۱۹۷۳ء طبع اول

۳۹۔ عثمانی، شبیر احمد، علامہ (۱۹۴۹ء) موضح الفرقان المعروف تفسیر عثمانی

کراچی: دارا لتصنیف لمیٹڈ ۱۹۷۵ء

۴۰۔ العینی، بدر الدین، العلامہ، عمدۃ القاری بشرح صحیح البخاری،

قاہرہ: دارا لطباعۃ العامرۃ ۱۳۰۸ھ

۴۱۔ الغزالی، محمد بن محمد، ابو حامد، الامام (۵۰۵ھ) احیاء علوم الدین

قاہرہ: مؤسسۃ الحلبی و شرکاہٗ للنشر والتوزیع ۱۹۶۷ء

۴۲۔ قاسمی، غلام مصطفیٰ، علامہ، سماجی انصاف اور اجتماعیت

حیدر آباد: شاہ ولی اللہ اکیڈمی ۱۹۷۳ء

۴۳۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، عماد الدین، ابو الفداء، القرشی الدمشقی (۷۷۴ھ)

تفسیر القرآن العظیم، مصر مطبعہ مصطفیٰ محمد ۱۹۳۷ء

۴۴۔ الکشمیری، محمد انور شاہ، العلامہ (۱۳۵۲ھ) فیض الباری علی صحیح البخاری

(ضبط و تحریر: مولانا بدر عالم میرٹھی)

قاہرہ: مطبع حجازی ۱۹۳۸ء طبع اول

۴۵۔ ابن ماجہ، محمد بن یزید، ابو عبد اللہ (۲۷۳ھ) السنن،

کراچی: نور محمد اصح المطابع و کارخانہ تجارت کتب ۱۳۸۱ھ

۴۶۔ مجلہ عزم، لاہور: عزیز پبلی کیشنز، مئی ۱۹۸۱ء

۴۷۔ محمد حبیب اللہ مختار، ڈاکٹر، مولانا، اسلامی آداب و معاشرت،

کراچی: دارا لتصنیف جامعہ علوم اسلامیہ ۱۴۱۰ھ

۴۸۔ محمد زکریا، مولانا شیخ الحدیث، فضائل رمضان،

Marfat.com

کراچی: محمد یحیی مدنی مدرسہ عربیہ اسلامیہ

۴۹۔ محمد شفیع، مولانا، مفتی اعظم (۱۹۷۶ء) معارف القرآن،

کراچی: ادارۃ المعارف ۱۹۸۰ء

۵۰۔ محمد طیب، مولانا قاری، طریقت، شریعت اور سیاست، گوجرانوالہ: مکتبہ حنفیہ

۵۲۔ محمد طیب، مولانا، قاری، فلسفہ نماز، لاہور: ادارہ اسلامیات ۱۹۷۵ء

۵۳۔ محمد میاں، مولانا سید، علماء ہند کا شاندار ماضی، لاہور مکتبہ محمودیہ ۱۹۷۷ء

۵۴۔ محمود حسن، شیخ الہند، مولانا (۱۹۱۹ء) ایضاح الادلہ

(تصحیح و اضافہ مولانا سید فخرالدین احمد مرحوم)

کراچی: ایچ ایم سعید کمپنی ۱۹۸۶ء

۵۵۔ مسلم بن حجاج، ابو الحسین، القشیری، الامام (۲۶۱ھ) الصحیح،

کراچی: نور محمد اصح المطابع و کارخانہ تجارت کتب ۱۳۷۵ھ

۵۶۔ الموصلی، عبداللہ بن محمود بن مودود (۶۸۳ھ) الاختیار لتعلیل المختار

بیروت: دار المعرفہ للطباعۃ و النشر ۱۹۷۵ء طبع سوم

۵۷۔ النووی، یحیی بن شرف، محی الدین، ابو زکریا (۶۷۶ھ)

شرح صحیح مسلم، مطبوعہ مع صحیح مسلم

ایمان کی چھاؤں میں

صحیح بخاری کا خصوصی مطالعہ

تالیف

سعید الرحمٰن

استاد ادارہ علوم اسلامیہ عربی

بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان

بیکن بکس ○ گلگشت ملتان

Marfat.com